قیمت: پانچ روپے

انٹرنیشنل
ملی ٹائمز
نئی دہلی

اردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ

بوسنیائی مسلمانوں کی لاشیں
مشینوں سے ملی جارھی ھیں

مسجد پر راکٹوں سے حملہ

نیشنل فرنٹ کے محاذ پر لالو کا امتحان
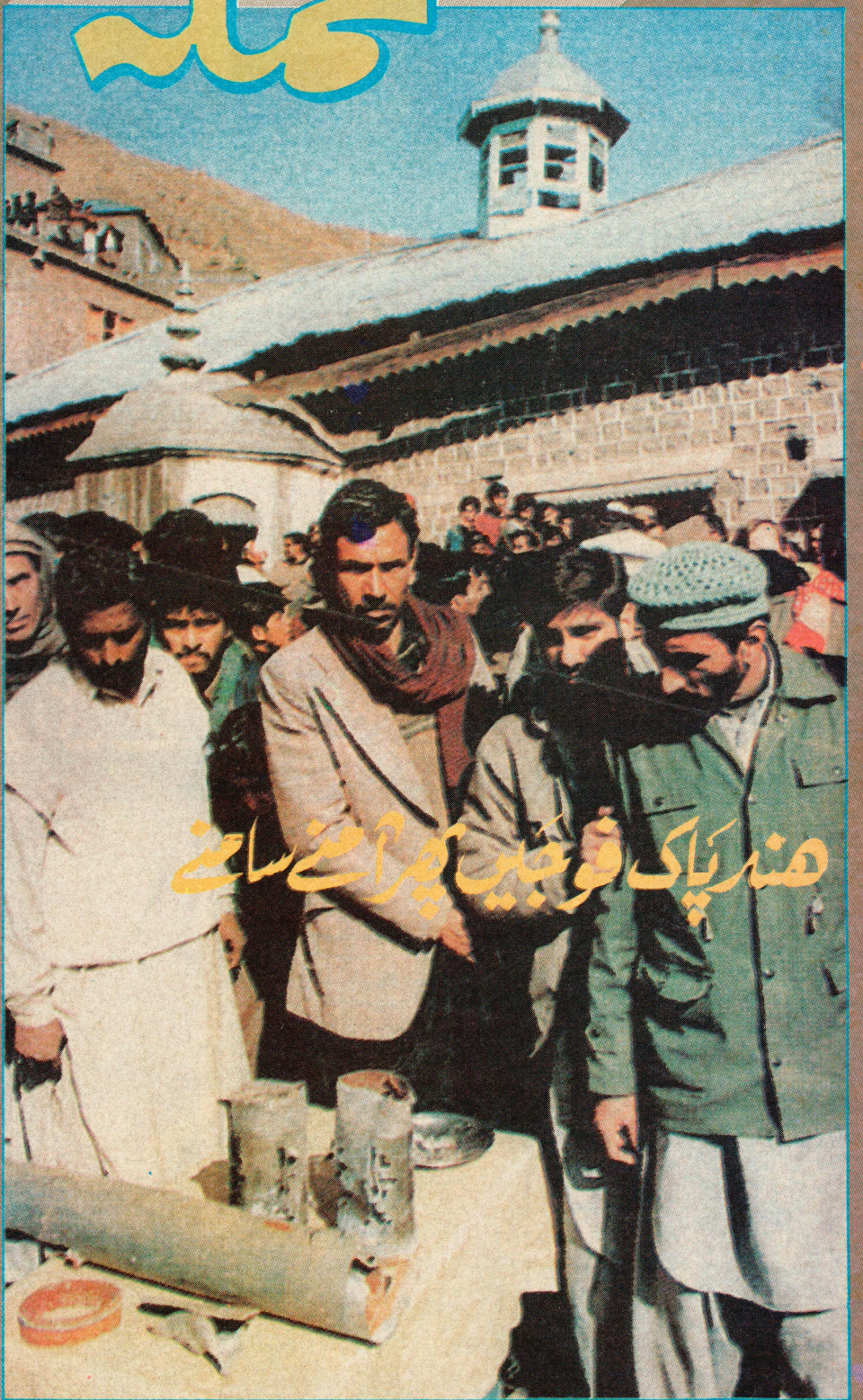
ہند پاک فوجیں پھر آمنے سامنے

Country	Price
AUSTRALIA	A$ 3.50
BANGLADESH	Taka 20
BELGIUM	Fr 70
BRUNEI	B$ 4.50
CANADA	C$.3.50
CHINA	RMB 12.50
DENMARK	D. KR. 14.00
FRANCE	Fr 10
FINLAND	F. MK 10.00
GERMANY	DM3.50
HONG KONG	HK$ 15.00
INDONESIA	RP 3,400 (INC.PNN)
ITALY	LIT. 3,000
JAPAN	
KOREA	W 1.800
MALAYSIA	RM 3.00
MALDIVES	Rf 12.00
NETHERLANDS	G 3.30
NEW ZEALAND	NZ$ 4.95
NORWAY	N. KR 12.00
PAKISTAN	Rs. 15
PHILIPPINES	P 25
SAUDI ARABIA	SR 3
SINGAPORE	S$ 2.50
SRI LANKA	Rs 40
SWEDEN	Kr 15
SWITZERLAND	Fr 3
THAILAND	B 40
U.K.	60p.
U.S.A.	$1.25

شری کرشنا کمیشن کا خاتمہ مسلمانوں کے ساتھ زبردست ناانصافی

فسادات کی جانچ کے لیے علیحدہ با اختیار اقلیتی انکوائری کمیشن کی ضرورت ہے

بمبئی فساد کی آزادانہ جانچ کرنے والے جسٹس سریش کے خیالات

جسٹس سریش بمبئی ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ جج ہیں، بمبئی فساد کے بعد انڈین پیپلز ہیومن رائٹس کمیشن کی جانب سے فسادات کی آزادانہ انکوائری کی گئی تھی۔ جسٹس سریش کے ساتھ ریٹائرڈ جج ایس ایم داؤد نے بمبئی کے متاثرہ علاقوں میں جاکر متاثرین اور دوسرے افراد کے بیانات قلمبند کئے تھے۔ ان میں تمام شعبہ حیات کے ممتاز افراد کے بیانات بھی تھے۔ جسٹس سریش اور جسٹس داؤد نے بمبئی فساد کا پس منظر اور فسادات پر قابو پانے کے لئے کچھ اہم تجاویز بھی پیش کی تھیں۔ انکوائری رپورٹ "پیپلز ورڈکٹ" کے نام سے منظر عام پر آچکی ہے۔ چونکہ جسٹس سریش نے بمبئی فسادات کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا اس لئے مہاراشٹر حکومت کی جانب سے فسادات کی جانچ کررہے جسٹس شری کرشن کمیشن کو ختم کردیے جانے پر ان کا ردعمل فطری ہے۔ انہوں نے حکومت کے فیصلے کی سختی سے مخالفت کی ہے۔ اس سلسلے میں ان کے خیالات قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش کئے جارہے ہیں۔

جانچ کمیشن کا خاتمہ کرکے حکومت نے اقلیتوں کے ساتھ زبردست ناانصافی کی ہے۔ فسادات کے دوران پولیس نے اکثریت کا ساتھ دیا تھا اور پھر فسادات کے بعد بم دھماکوں میں بھی پولیس نے اکثریت ہی کا ساتھ دیا۔ اور اب ان لوگوں کو قانونی کارروائی سے بچایا جارہا ہے۔ دراصل اقلیتوں کے لئے علاحدہ کمیشن کی ضرورت ہے۔ قومی اقلیتی کمیشن کی طرح سے نہیں اسے تو اختیارات ہی حاصل نہیں ہیں وہ دانت اور ناخن سے محروم شہر ہے۔ اس کمیشن کو ایسے اختیارات حاصل ہوں کہ فسادات کی جانچ کے بعد وہ مجرموں کے خلاف قانونی کارروائی کرسکے۔

موجودہ معاملے میں ایسا نہیں ہے کہ شری کرشنا کمیشن اقلیتوں کو تحفظ فراہم کرتا بلکہ رپورٹ میں پولیس کی زیادتیوں کو بے نقاب کیا جاتا۔ اپنی رپورٹ پیپلز ورڈکٹ میں ہم نے ایسے ساٹھ اعلیٰ افسران کی نشاندہی کی تھی جو اقلیتوں پر مظالم کرنے کے قصوروار پائے گئے تھے۔ ان میں موجودہ بمبئی پولیس کمشنر آر ڈی تیاگی اور ڈی سی پی نارکوٹکس ہمینٹ کاکرے شامل ہیں جنہیں اب ترقی دیدی گئی ہے۔

کمیشن انکوائری ایکٹ میں کمیشنوں کو جانچ کرنے حقائق یکجا کرنے اور رپورٹ پیش کرنے کے علاوہ کوئی اختیارات نہیں دئے گئے ہیں۔ گذشتہ صال بمبئی ہائی کورٹ کے جسٹس لینٹن نے ۲۲ اسپتال سے واقعہ کی انکوائری کی تھی لیکن حکومت نے مکمل رپورٹ کو تسلیم نہیں کیا۔ لیکن اخبارات میں رپورٹ سے متعلق جو کچھ چھپا تھا اس کا عوام پر گہرا اثر پڑا۔

جہاں تک حکومت کی اس دلیل کا سوال ہے کہ اس نے وقت بہت لیا تو اگر آپ واقعات کا تجزیہ کریں گو پائیں گے کہ تاخیر کی ذمہ دار حکومت ہی ہے۔ کمیشن کی تقرری کے بعد کانگریس حکومت نے اس کے آغاز میں ۶ مہینے کا وقت لگادیا۔ اس کے بعد کئی اعتراضات بھی اٹھائے گئے۔ معترضین کی منشا تھی کہ انتظامیہ کی ناکامی کو سامنے نہ لایا جائے۔ حکومت نے غیر ضروری جرح میں وقت گزاری کی کوشش کی۔ بمبئی کے سابق میونسپل کمشنر جے بی ڈی سوزا صنعت کار رتن ٹاٹا سماجی کارکن الیویا اگنیس اور صحافیوں سے جرح کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ کمیشن کا کام حقائق اور معلومات کو اکٹھا کرکے اس کی رپورٹ پیش کردینا ہے۔ لیکن شری کرشنا کمیشن کو شیوسینا اور اقلیتوں میں مباحثے کا اکھاڑا بنادیا گیا اور جب شیوسینا اقتدار میں آئی تو اس نے ضد کی کہ بم دھماکوں کو بھی کمیشن کے دائرے میں لایا جائے۔ جبکہ دونوں مختلف نوعیت کے واقعات ہیں اور پھر جب ٹاڈا جج جے این پٹیل بم دھماکوں کی جانچ کررہے تھے تو شری کرشنا کمیشن کے تحت اس کو لانے کی کیا ضرورت تھی۔ سینا برسر اقتدار آتے ہی فورا اس کمیشن کو ختم نہیں کرسکتی تھی کیونکہ میرا خیال ہے کہ کچھ مسلمانوں نے بھی شیوسینا کو ووٹ دیا اور وہ اقتدار میں آئی اس لئے اگر اس وقت کمیشن کو ختم کردیا جاتا تو اس کے دوررس نتائج برآمد ہوتے۔

حکومت نے کمیشن کو ختم کرنے کی جو وجوہات بیان کی ہیں ان میں سے تاخیر کو چھوڑ کر ایک وجہ یہ کہ اخبارات نے کمیشن کی کارروائی کی تشہیر کی جو کہ کامیاب نہ ہوسکی۔ یہ قابل اعتراض وجہ ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ اخبارات نے فسادات کی جانچ کی شاید ہی کوریج کی ہو۔ البتہ بم دھماکوں میں تو صرف دو سو افراد ہلاک ہوئے تھے جبکہ فسادات میں حکومت کے اعداد و شمار کے مطابق ۸۵۰، افراد ہلاک ہوئے۔ جبکہ یہ گنتی حقیقت سے کافی دور ہے۔ فسادات کے دوران کے بہت سے واقعات کی رپورٹ ہی نہیں لکھائی گئی۔ پچاس ہزار افراد بے گھر کرائے گئے اور ابھی تک انہیں پوری طرح بسایا نہیں گیا ہے

سینا حکومت نے جو دوسری وجہ بیان کی ہے وہ پوری طرح مضحکہ خیز ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ گذشتہ دو سالوں میں کوئی فساد نہیں ہوا لہذا جانچ کمیشن پر پیسہ بہانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ آپ کسی کا قتل کردیں اور دو سال کے بعد کہیں کہ قانونی کارروائی کی تو اب اہمیت ہی ختم ہوگئی ہے کیونکہ ان دو سالوں میں میں نے کسی کا قتل نہیں کیا ہے۔ حکومت کا یہ فیصلہ آمرانہ ہے۔ شیوسینا نے سوچا کہ انکوائری رپورٹ پارلیمانی انتخابات کے موقع پر منظر عام پر آئے گی سپریم کورٹ نے پچھلے چند مہینوں میں جو احکامات جاری کئے ہیں میرا خیال ہے کہ عدالت حکومت کے اس فیصلے کو منسوخ کردے گی۔ دریں اثنا بمبئی ہائی کورٹ کے ایک ڈویژن بنچ نے ریاستی حکومت کو چار ہفتے کے اندر حلف نامہ داخل کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ حکم اس عذرداری کے بعد دیا گیا جس میں ریاستی حکومت کے اس فیصلے کو چیلنج کیا گیا ہے۔ عذرداری وکلا کی لیگل ایڈ کمیٹی کی طرف سے این ڈی بھاسکر، ملی کونسل کی طرف سے یوسف مچھالہ، بمبئی امن کمیٹی کی طرف سے اے ایس بداد ے، کمیونسٹ پارٹی کی طرف سے نیلوفر بھگوت اور پی یو سی ایل کی طرف سے اتل سیتل واڈ نے داخل کی ہے۔

بمبئی فساد کے دوران فوج کی گشت

ٹھاکرے کے آپریشن سے بی جے پی کو آرام

ٹھاکرے اسپتال میں ہیں، بی جے پی حوالہ میں اور شیوسینا مصیبت میں۔ پارلیمانی انتخابات قریب آرہے ہیں اور بی جے پی، شیوسینا کے ساتھ ساتھ ٹھاکرے بھی زبردست تشویش میں ہیں۔ ٹھاکرے کی تشویش سے شیوسینا کی تشویش جڑی ہوئی ہے۔ البتہ بی جے پی کی پریشانی علاحدہ نوعیت کی ہے۔ لیکن شیوسینا کے حوالے سے اسے قدرے سکون و اطمینان ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حوالہ کے حوالے سے وہ بے اطمینانی میں مبتلا ہے۔

حال ہی میں بال ٹھاکرے کو اسپتال میں بھرتی کیا گیا جہاں چند دنوں کے بعد ان کا بائی پاس آپریشن ہوا۔ آپریشن کامیاب رہا مگر ڈاکٹروں نے انہیں تین مہینے مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے۔ یہ ڈاکٹر بھی عجیب و غریب شے ہیں۔ جب ٹھاکرے کو دوڑ دھوپ کی ضرورت پیش آئی تو کہہ دیا کہ آرام کریں۔ جب آرام کا وقت آئے گا تو کہہ دیں گے کہ اب آپ دوڑ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر کیا جانیں سیاستدانوں کی مجبوریاں۔ الیکشن کا دور دورہ ہو اور سیاستداں ایک کمرے میں بند رہ کر آرام کرنے پر مجبور ہو۔ اس سے بڑا عذاب اور اس سے بڑی سزا سیاستداں کے لئے کوئی نہیں ہے۔

لیکن ڈاکٹر کو اس سے کیا غرض۔ انہیں تو اس سے بھی مطلب نہیں ہے کہ وہ ٹھاکرے کے بھلے کے لئے انہیں جس آرام کا مشورہ دے رہے ہیں اس میں ان کے لئے زبردست خسارہ ہے۔ مارچ اپریل میں انتخابات ہونے ہیں۔

شیوسینا بے کمانڈر ہوکر انتخابی جنگ کیسے جیت پائے گی۔ کمانڈر بستر علالت پر ہو تو فوجیوں کا حوصلہ کیسے بڑھے گا انہیں ترغیب کون دیگا اور فوجی حکمت عملی کے تحت انہیں مصروف کون رکھے گا۔ سپاہی یا تو منتشر ہوجائیں گے یا حوصلہ ہاردیں گے۔ یہی حالت شیوسینا کی ہورہی ہے۔ ٹھاکرے کی غیر موجودگی شیوسینکوں کے لئے زبردست پریشانی کا باعث بن رہی ہے۔ ایک سینئر لیڈر نے اس کا اعتراف بھی کیا۔ "بالا صاحب ہمارے اسٹار لیڈر ہیں ان کی غیر موجودگی میں ہماری انتخابی میٹنگیں متاثر ہوسکتی ہیں۔"

دراصل شیوسینا کی کامیابی کی بنیادیں ٹھاکرے کی زہریلی تقریروں میں پنہاں ہوتی ہیں اور جب ٹھاکرے ہی نہیں ہوں گے تو زہریلی

باقی صـ۱۲ـ پر

اسمبلی کا گھیراؤ کیا جائیگا

شری کرشنا کمیشن کے خاتمے کے خلاف فلمی اداکاروں کی ایک تنظیم عوامی جلسے کرے گی جس میں معروف قانون داں نانی پالکھی والا بھی شرکت کریں گے۔ یہ عوامی جلسے بمبئی، پونے اور ناگپور میں ہوں گے۔ اس تنظیم کا نام "تیسری ویاس پیٹھ" یا تیسرا راستہ ہے اور اس میں معروف اداکار نیلو پھولے اور ڈاکٹر شری رام لاگو، بمبئی کے سابق میونسپل کمشنر ایس ایس تانکر اور معروف کیرکٹر آرٹسٹ سداشیو امراپورکر شامل ہیں۔ نانی پالکھی والا کا کہنا ہے کہ وہ تیسری ویاس پیٹھ یا تیسرا راستہ سے واقف نہیں ہیں لیکن حکومت کے اس فیصلے کے خلاف وہ عوامی جلسوں سے خطاب کریں گے۔ اس سے قبل پالکھی والا نے کمیشن کو ختم کرنے کے خلاف انسانی حقوق کی تنظیموں کی جانب سے منعقدہ ایک دھرنے میں بھی حصہ لیا تھا۔

مسٹر پھولے کا کہنا ہے کہ یہ ایک انتہائی نازک اور اہم معاملہ ہے۔ اور ہم اگر ضروری سمجھیں گے تو اس معاملے پر اسمبلی کا محاصرہ بھی کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ شیواجی بھی ایسے لوگوں کو معاف نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ سراسر غلط ہورہا ہے۔

الیکشن کا زمانہ، غیر ملکیوں کا بہانہ اور سیاستدانوں کا نشانہ

آسام کے مسلمان نیلی جیسے بھیانک قتل عام کے خدشے سے پھر دوچار ہیں

رپورٹ: سہیل انجم

انتخابات جوں جوں قریب آرہے ہیں آسام میں نیلی اور اس کے قرب و جوار میں خوف و ہراس پھیلتا جارہا ہے۔ نیلی قتل عام کی بھیانک یادیں عوام کا بالخصوص مسلمانوں کا پیچھا کررہی ہیں۔ اس بھیانک دن کی یادیں آج بھی بچے کھچے مسلمانوں کے ذہنوں میں نقش ہیں جب محض آٹھ گھنٹے میں دو ہزار سے زائد مسلمانوں کو گاجر مولی کی مانند انتہائی وحشیانہ طریقے سے کاٹ کر رکھ دیا گیا تھا۔ نیلی جیسے بھیانک واقعات کے زخم مسلمانوں کے ذہن نما جسم پر جگہ جگہ دکھائی دے رہے ہیں۔ کسی زخم پر میرٹھ و ملیانہ کا نام درج ہے تو کسی پر بمبئی کا، کسی پر مراد آباد کا تو کسی پر علی گڑھ کا۔ گویا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو جاری ہے اور کوئی گارنٹی نہیں کہ یہ سلسلہ کبھی بند بھی ہوگا۔

نیلی اور اس کے آس پاس مسلمانوں میں خوف و ہراس اور دہشت و سراسیمگی کا بھیانک ماحول اس لئے ہے کہ ان کا قتل عام غیر ملکیوں کی آڑ میں کیا گیا تھا۔ آسام کے طلبہ کی تحریک نے مسلمانوں کو غیر ملکی قرار دیکر ان کے صفایے کی مہم شروع کر رکھی تھی اور آج پھر اس مہم کے اعادے کی تیاری کی جارہی ہے۔

> نیلی کے مسلمانوں کو آج بھی ۱۹۸۳ کے انتخابات کا وہ موسم یاد ہے جب ان پر قیامت صغریٰ ٹوٹ پڑی تھی۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ایک ہزار لوگ قتل کئے گئے جبکہ غیر سرکاری اعداد و شمار کے مطابق دو ہزار سے زائد لوگوں کو گاجر مولی کی مانند کاٹ دیا گیا تھا۔

لیکن نہ تو حکومت اور نہ ہی پولیس انتظامیہ اس صورتحال سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے کچھ کررہی ہے اور نہ مسلمانوں کو کوئی راستہ سجھائی دے رہا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس وزیر اعلیٰ ہتیشور سائکیا ایک خود مختار کونسل کے قیام کی تیاری کررہے ہیں جس سے اگر کسی کا نقصان ہوگا تو صرف مسلمانوں کا اور انہیں ایک بار پھر یا تو وہاں سے کھدیڑ کر نکال دیا جائے گا یا نیلی کی تاریخ دوہرادی جائے گی۔

گاؤں کے سرپنچ عبدالعزیز کہتے ہیں کہ اگر شوا ساہتیہ ساشن یا خود مختار کونسل کا قیام عمل میں آگیا تو یہ علاقہ میدانی قبائلیوں کے لئے مخصوص کردیا جائے گا اور لالونگ اور کچھاری قبائلیوں کی یہاں حکومت ہوجائے گی اور ہم مسلمان جو کہ یہاں بچاسوں سال سے زندگی گزار رہے ہیں اٹھا کر باہر پھینک دیے جائیں گے۔

مسلمانوں کے خوف و ہراس کی ایک اور وجہ ہے۔ وہ یہ کہ جن کے نام ووٹر لسٹ میں شامل ہیں ان میں سے نصف کا فوٹو شناختی کارڈ بھی نہیں بنا ہے۔ ان کی تصویر کھینچی ہی نہیں گئی۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم اس کی شکایت کس سے کریں۔ ہمارے ممبر اسمبلی آسام گن پریشد کے بابل بورا نے آج تک کبھی یہاں کا دورہ ہی نہیں کیا۔ اس کا کہنا ہے کہ تم لوگوں نے کانگریس کو ووٹ دیا تھا اس سے جاکر کہو، اور ہم وزیر اعلیٰ سے گذارش کرتے ہیں تو وہ بھی یہاں آنے کی زحمت نہیں کرتے۔ عبدالعزیز نے یہ خدشہ بھی ظاہر کیا کہ جن لوگوں کے فوٹو نہیں کھینچے گئے ہیں ان کو جبراً یہاں سے نکالنے کی مہم شروع ہوجائے گی۔

ادھر دوسری طرف آل آسام اسٹوڈینٹس یونین (آسو) نے چیف الیکشن کمشنر سے شکایت کی ہے کہ انہوں نے آسام میں انتخابات کے لئے ۱۹۹۴ کی ووٹر لسٹ کو پیمانہ کیوں بنایا ہے۔ اس نے سیشن کے اس بیان کی بھی نکتہ چینی کی ہے کہ آسام میں دس لاکھ غیر ملکی ہیں۔ اسٹوڈینٹس یونین کے صدر ایس سونووال کا کہنا ہے کہ اگر الیکشن کمشنر نے ہم لوگوں کی بات نہیں مانی تو ہم تحریک چلانے پر مجبور ہوجائیں گے۔

اس سلسلے میں آسو نے ایک گیارہ رکنی کمیٹی تشکیل دی ہے۔ جو جلد ہی دہلی میں آکر سیشن سے ملے گی۔ سونووال نے مطالبہ کیا ہے کہ جب تک غیر ملکیوں کا معاملہ حل نہیں ہوجاتا تب تک آسام میں پارلیمانی اور اسمبلی انتخابات نہیں ہونے چاہئیں۔ انہوں نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ ہم آسام میں بڑی تیزی سے اقلیت میں ہوتے جارہے ہیں۔ مرکز کی سرد مہری کے نتیجے میں ہماری ثقافتی اور اقتصادی شناخت ختم ہوتی جارہی ہے۔

آسو نے مطالبہ کیا ہے کہ غیر ملکیوں کو یہاں سے بنگلہ دیش واپس کرنے کے لئے حکومت جلد از جلد "الیگل مائگرینٹس ڈٹکشن ٹربیونل" ختم کرے۔ بنگلہ دیشی مسلمان اتنی تیزی سے یہاں دراندازی کررہے ہیں کہ ہم تمام سرحدی اضلاع میں اقلیت میں ہوتے جارہے ہیں۔ تنظیم کے جنرل سکریٹری ایس کے بھٹاچارجی کا کہنا ہے کہ ہم اس سے بھی واقف ہیں کہ کن مقامات پر غیر قانونی دراندازوں کو آئی ایس آئی فوجی تربیت دے رہی ہے یہاں تک کہ حکومت ہند بھی آسام کی دھماکہ خیز صورتحال سے واقف ہے لیکن ہندوستانی شہریوں کے تحفظ کے لئے کچھ نہیں کررہی ہے۔

نیلی کے مسلمانوں کو آج بھی ۱۹۸۳ کے انتخابات کا وہ موسم یاد ہے جب ان پر قیامت صغریٰ ٹوٹ پڑی تھی۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ایک ہزار لوگ قتل کئے گئے جبکہ غیر سرکاری اعداد و شمار کے مطابق دو ہزار سے زائد لوگوں کو گاجر مولی کی مانند کاٹ دیا گیا تھا۔ وہ ۲۸ جنوری کی صبح تھی، ایک خون آشام بھیڑ نے علاقے کا محاصرہ کرلیا تھا۔ وہ گھروں کو نذر آتش کرنے کے بعد انسانوں کو اس طرح قتل کررہے تھے جیسے کوئی فاتح فوج مفتوح علاقے میں مال غنیمت لوٹ کر اپنے دشمنوں کا قلع قمع کررہی ہو۔

سرپنچ عبدالعزیز کے گھر کے دس افراد کا قتل کردیا گیا تھا اور خود ان کے جسموں پر لاتعداد زخم لگے۔ جو آج بھی اس بھیانک دن کی یاد دلاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس وقت غیر ملکیوں کا معاملہ اٹھا تھا اور اس وقت بھی کچھ لوگ یہ مسئلہ اٹھانے کی کوشش کررہے ہیں۔ تاکہ ایک بار پھر مسلمانوں پر حملہ کیا جاسکے۔ سیاستداں ماحول کو گرما رہے ہیں اور ہم ایک بار پھر غیر محفوظ سے ہوگئے ہیں۔

اس واقعہ کی یاد تازہ کرتے ہوئے مسلم الدین کہتے ہیں کہ میں اس وقت گاؤں کا مکھیا تھا۔ جمعہ کا دن تھا اور صبح کے آٹھ بجے تھے ایک مستقل بھیڑ بڑھی چلی آرہی تھی ان کی تعداد چار پانچ ہزار پر مشتمل رہی ہوگی۔ ان لوگوں نے چاروں طرف سے گاؤں پر یلغار کردی۔ وہ بندوق، تلوار، تیر، نیزہ اور دوسرے ہتھیاروں سے لیس تھے، پہلے انہوں نے مکانوں کو آگ لگائی اور پھر لوگوں کو قتل کرنا شروع کردیا۔ پولیس نے ہم لوگوں کی کوئی مدد نہیں کی۔ قتل عام اس وقت رکا جب شام میں سی آر پی ایف کے جوانوں نے آکر علاقے کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ مسلم الدین کا کہنا ہے کہ ہم لوگوں نے انتظامیہ کو اپنے خدشے سے آگاہ کردیا تھا اور ایک ہفتے کا بند مناکر انتظامیہ کی توجہ مبذول کرنے کی کوشش کی تھی ہم نے نوگاؤں اور جاگی روڈ پولیس اسٹیشن کو بھی حالات سے آگاہ کردیا تھا لیکن پولیس انتظامیہ نے ہمارے تحفظ کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ اگر حکومت و انتظامیہ حرکت میں آگئی ہوتی تو شاید اس خون خرابے کو روکا جاسکتا تھا۔

حال ہی میں ریٹائر ہوئے ڈائرکٹر جنرل آف پولیس کے پی ایس گل اس وقت آسام کے انسپکٹر جنرل آف پولیس تھے اور قتل عام کے وقت علاقے میں گشت کررہے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ قتل عام کو روکا جاسکتا تھا لیکن نوگاؤں کے ایس ایس پی کی ایک غلطی سے یہ بھیانک واقعہ ہوگیا۔ حالانکہ بعد میں دہشت گردوں نے انہیں ماردیا۔ ایس ایس پی نے غلطی یہ کی تھی کہ نیلی کے نزدیک کوپلی ندی پر پکے پل پر سے پولیس کی چوکی ہٹالی تھی۔ یہ پل نوگاؤں اور گوہاٹی کو ملاتا تھا۔ جس کے نتیجے میں مظاہرین نے پل کو تباہ کردیا۔ ہم اس علاقے میں انتہائی مصائب اٹھاکر کافی دیر میں پہنچے۔ میں اس وقت مجبان میں ایک دوسرے فساد کو کنٹرول کررہا تھا کہ اسی دوران ہمیں اس واقعہ کی اطلاع ملی۔ ہم گیارہ بجے نیلی کے لئے چل پڑے لیکن وہاں پہنچنے میں ہمیں بارہ گھنٹے لگ گئے اور ڈھائی بجے رات میں ہم حالات کو کنٹرول کرپائے۔ آپ یقین کریں کہ پندرہ گھنٹے تک ہمارے آدمیوں کو ایک گلاس پانی بھی نہیں ملا تھا۔

سابق وزیر اعلیٰ پرفل موہنتا

کے پی ایس گل پولیس پر غفلت کے الزام کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شمالی کچھار اور سلچر کو چھوڑ کر اس وقت پورے آسام میں ایک طرح سے آگ لگی ہوئی تھی اور پولیس کی تعداد بہت کم تھی۔ نیلی میں سات پولیس والوں پر مشتمل ایک چوکی تھی لیکن ہزاروں لوگوں کی بھیڑ کے آگے چند پولیس والے کیا کرسکتے ہیں۔ سی آر پی ایف کی آمد کے انتظار کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر آسام کی پولیس نے جانبداری سے کام لیا ہوتا تو قتل عام اور بھیانک ہوتا۔ یہ صحیح ہے کہ نیلی میں ایسا ہوگیا لیکن ہم نے سینکڑوں مقامات پر اس کی تاریخ نہیں دوہرانے دی۔ اس وقت حالات کو کنٹرول کرنے میں پندرہ دن میں ۱۱۰ افراد پولیس فائرنگ میں ہلاک ہوئے تھے۔

بہرحال اس وقت ایک بار پھر حالات کو خراب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ حالانکہ ابھی وہاں کے مسلمان ۲۸ جنوری کو دعاؤں کا اہتمام کرکے اس دن کی برسی مناتے اور قتل عام کے شکار ہونے والوں کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ لیکن اگر حکومت نے اس بار بھی غفلت اور سستی سے کام لیا اور خود مختار کونسل کی تشکیل کردی تو ایک بار پھر نیلی کی تاریخ دوہرانا مسلم دشمن طاقتوں کے لئے مشکل نہیں رہ جائے گا۔

کیا پھر آسام کے مسلمانوں کا قتل عام ہوگا

سرحد پار بھی شیئر اسکینڈل اور حوالہ ریکٹ جیسی بدعنوانیوں کی بھرمار ہے

پاکستانی سیاست میں کرپشن، گھٹالوں اور سیاسی جرائم کا روزنامچہ

آج کل ہمارے ملک میں سیاست میں کرپشن اور کالے دھن کا کافی تذکرہ ہے۔ سپریم کورٹ نے سخت موقف اختیار کرکے سی بی آئی کو مجبور کیا ہے کہ وہ سیاستدانوں کے خلاف بلا خوف و خطر تفتیش کرے۔ ہماری کورٹ مجرم سیاستدانوں کو بھی سبق سکھانے پر آمادہ نظر آتی ہے۔ کبھی ایچ۔ کے۔ ایل بھگت دہلی کے بڑے طاقتور کانگریسی لیڈر تھے مگر آج ۱۹۸۴ء کے سکھ مخالف فسادات میں کھل کر حصہ لینے اور معصوموں کا خون بہانے کے جرم میں جیل کی ہوا کھا رہے ہیں۔ ایک اور سابق وزیر کلپ ناتھ رائے کے خلاف ناقابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری ہوچکا ہے۔ ان تمہیدی الفاظ کے بعد آیئے دیکھیں کہ سرحد پار یعنی پاکستان کے سیاسی مجرموں کے حال احوال کیا ہیں؟

عرفان اللہ مروات سابق صدر پاکستان غلام اسحاق خاں کے داماد ہیں۔ اپنی پوزیشن کا فائدہ اٹھاکر وہ پی آئی اے کی ائر ہوسٹسوں کو اپنی جاگیر تصور کرتے ہیں۔ یہ بات پاکستان میں ہر کس و ناکس کے علم میں ہے لیکن آج تک ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ چلئے یہ کسی با اثر شخص کی ذاتی خرابیاں ہیں اور اسے ہم بھی نظر انداز کردیتے ہیں جیسا کہ پوری پاکستانی قوم نے "اعلی ظرفی" کا ثبوت دیکر ان کے گناہوں پر ناکام طور پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

مہران بینک اسکینڈل کے بارے میں قارئین نے سنا ہوگا۔ یہ ہمارے سیکورٹی گھٹالے ہی جیسا ایک بڑا اسکینڈل تھا۔ ایک بیچارے

وزیر اعظم بے نظیر سردار آصف علی کے ساتھ

یونس حبیب نے بینک کے پیسے بڑے سیاستدانوں کو دیکر اس کا دیوالیہ نکال دیا۔ اس اسکینڈل سے فائدہ اٹھانے والے موجودہ صدر فاروق لغاری، سابق چیف آف آرمی اسٹاف، جنرل اسلم بیگ، اور آفتاب احمد شیر پاؤ وغیرہ جیسے بڑے لوگ بتائے جاتے ہیں۔ بیچارے یونس حبیب کو تو جیل بھیج دیا گیا مگر وہ سارے سیاستدان اور جنرل جن پر پیسہ لینے کا الزام تھا، پاکستانی قوم کی خدمت و نصیحت کے لئے پوری طرح آزاد ہیں۔

بے نظیر کے سابق دور حکومت میں ان پر اور ان کے شوہر پر کرپشن کے سنگین الزامات لگائے گئے تھے۔ اسی جرم میں ان کی حکومت برخاست کی گئی تھی۔ لیکن آج وہ ملک کی دوبارہ وزیراعظم ہیں اور ان کے شوہر جیل سے باہر آکر دوبارہ

ایک معزز شہری کی طرح قوم کے خزانے پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔ میاں بیوی کے علاوہ دوسرے وزراء بھی حسب توفیق سرکاری خزانے اور صنعتوں سے بہرہ اندوز ہورہے ہیں۔ ہمارے ملک کی طرح پاکستان میں بھی نج کاری یعنی سرکاری صنعتوں کو پرائیویٹ ہاتھوں میں دینے پر کافی زور ہے۔ پاکستان پٹرولیم لمیٹڈ، جو رسوئی گیس بھی سپلائی کرتی ہے، وہاں کا مالی اعتبار سے کامیاب ادارہ ہے۔ مگر بے نظیر حکومت نے جلد بازی میں اسے ایک ہوٹلوں کے مالک ہشوانی (یا حشوانی) کے نجی ہاتھوں میں دینے کا فیصلہ لے لیا۔ پاکستانی صدر فاروق لغاری صاحب نے اس سودے پر یہ کہہ کر اعتراض کیا کہ یہ غیر ضروری ہونے کے علاوہ صاف ستھرا بھی نہیں

ہے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ بعض سیاستدانوں کو اس سے زبردست "فائدہ" ہوتا تھا، ہمارے جین صاحب کی نوازشوں سے کہیں بڑے "فائدے" مگر صدر کی مداخلت نے "بیچاروں" کو اس سے محروم کردیا۔ مگر پٹرولیم منسٹر انور سیف اللہ جو ایک بڑے تاجر ہیں، اب بھی بضد ہیں کہ یہ سودا ہونا چاہئے۔ کسی اور جمہوری ملک میں صدر مملکت کے اس اقدام کے بعد منسٹر صاحب یا تو استعفا دے دیتے یا دشواریوں میں گرفتار ہوجاتے مگر انور سیف اللہ نہ صرف یہ کہ ابھی تک "معزز وزیر" کی حیثیت سے کام کررہے ہیں بلکہ دور دور تک کسی دشواری میں بھی مبتلا نظر نہیں آتے۔

کیونکہ پاکستانی جمہوریت میں جواب دہی کا تصور ناپید ہے۔ اسی طرح شرمندہ ہوکر یا اخلاقی بنیادوں پر استعفاء دینا شاید غیر اصولی یا غیر قانونی ہے۔ ۱۹۸۸ سے آج تک بے نظیر اور نواز شریف سمیت بے شمار سیاستدانوں اور افسروں پر خرد برد اور کرپشن کے الزامات عائد ہوئے ہیں مگر یہ سب آج تک "معصوم" اور "بے گناہ" بنے ہوئے ہیں، کیونکہ ان کے بقول ان کے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں ہوا ہے۔ پاکستانی جریدے تکبیر کے سابق ایڈیٹر مرحوم صلاح الدین صاحب نے بہت سے گھٹالوں سے پردہ اٹھایا تھا مگر شاید ہی کسی معاملے کی تحقیق ہوئی اور شاید ہی کسی معاملے میں کسی با اثر سیاستداں یا افسر کو سزا ملی ہو۔

ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ بعض الزامات محض سیاسی انتقام کے لئے گھڑے جاتے ہوں، اس لئے مقصد ملزمین کو سزا دلانا نہ ہو بلکہ انہیں معض تنگ کرنا ہو۔ مگر بعض آزاد ذہن اور بے باک صحافیوں نے بے نظیر، آصف زرداری اور نواز شریف جیسے لیڈروں پر جو سنگین الزامات لگائے ہیں، ان کی تحقیق تک نہ ہونا صرف پاکستانی جمہوریت ہی میں ممکن ہے۔

●

انیس ابراہیم کی دوبئی میں گرفتاری اور رہائی کے تناظر میں

سی بی آئی داؤد ابراہیم کے سامنے طفل مکتب ثابت ہورہی ہے

داؤد ابراہیم کے بھائی انیس ابراہیم کی دوبئی میں انٹرپول کے کہنے پر گرفتاری، پھر اس کا وہاں سے دوبئی بھیجا جانا اور پھر دوبئی کی ایک کورٹ سے ایک دوسرے مقدمے میں جرمانہ ادا کرنے کے بعد اس کی رہائی سے جو بات ابھر کر سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ داؤد اپنی بے پناہ دولت کی وجہ سے خلیجی ریاستوں میں کافی اثر رکھتا ہے جبکہ ہندوستان کی سی بی آئی اس کے برعکس طفل مکتب کی طرح بے اثر ثابت ہوئی ہے۔ داؤد کی طرح انیس بھی بمبئی بم دھماکوں کے سلسلے میں مطلوب ہے۔ حال ہی میں بحرین میں اسے انٹرپول کے کہنے پر گرفتار کرلیا گیا تھا۔ ہندوستان میں اس پر کافی خوشی ظاہر کی گئی تھی اور بہتوں کو امید ہوچلی تھی کہ ایک اہم ملزم جلد ہی جوابدہی کے لئے بمبئی میں حاضر ہوگا۔ انیس کی گرفتاری کے فوراً بعد سی بی آئی کے تین سینئر افسران بحرین گئے۔ لیکن بحرین نے سی بی آئی کے دعوے کو تسلیم کرنے ہی سے انکار کردیا۔ ایک وقت تو بحرین پولیس نے صاف کہہ دیا کہ آپ لوگ کون ہوتے ہیں ملزم انیس کا مطالبہ کرنے والے۔ وہ یہاں دوبئی سے آیا اور لاطینی امریکہ کے ملک بیلائز کے پاسپورٹ پر سفر کررہا تھا۔ اب ہندوستان اس میں کہاں سے کود پڑا۔

دراصل بحرین سے ہندوستان کا مجرموں کے ایک دوسرے کے حوالے کرنے کے بارے میں کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ یہ پہلی وجہ ہے سی بی آئی کی اپنے بحرین مشن میں ناکامی کی۔ دوسری وجہ سی بی آئی کے مطابق یہ ہے کہ ہندوستانی وزارت خارجہ اس وقت کچھ کرنے سے قاصر رہی جب بحرینی پولیس نے سی بی آئی کو اس معاملے سے یہ کہہ کر لاتعلق کرنے کی کوشش کی تھی کہ مجرم کا ہندوستان سے دور کا تعلق نہیں ہے کیونکہ وہ وہاں ایک دوسرے ملک سے ایک دوسرے ملک کے پاسپورٹ پر آیا تھا۔ بلاشبہ وزارت خارجہ نے بحرین سے باقاعدہ انیس کو ہندوستان کے حوالے کرنے کی درخواست کی لیکن اس کے ساتھ کوئی دستاویز نہیں تھی۔ مثلاً ایف آئی آر کی ایک کاپی، یا اس کے خلاف چارج شیٹ اور ایسی دوسری دستاویزیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بحرین نے یہ درخواست مسترد کردی۔

سی بی آئی کو بس اتنی کامیابی ملی کہ بحرین

انیس ابراہیم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ

پولیس کی موجودگی میں انیس سے کچھ پوچھ گچھ کا موقع ملا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہندوستان کوئی اور تدبیر اختیار کرتا بحرین پولیس نے انیس کو دوبئی واپس بھیج دیا جہاں سے وہ آیا تھا۔ یہاں سی بی آئی کو داؤد ابراہیم کی طاقت کا مزید اندازہ اور تجربہ ہوا۔ جیسے ہی انیس یہاں آیا اسے ایک کورٹ میں پیش کیا گیا جہاں اس پر ایک فراڈ کا جرم ثابت ہونے پر جو بھاری جرمانہ عائد کیا گیا جو کروڑوں میں تھا اور فوراً ادا کردیا گیا۔ اسی کے ساتھ کورٹ نے اس سے یہ بھی کہا کہ وہ دوبئی ہی میں موجود رہے۔ بس سی بی آئی کو یہ معلوم ہے کہ اب انیس دوبئی ہی میں رہے گا۔ لیکن کورٹ کی کارروائی ختم ہوتے ہی سی بی آئی انیس کا سراغ تک نہ پاسکی۔ سی بی آئی کا کہنا ہے کہ انیس کو دوبئی سے نکالنا بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے تھائی لینڈ کو ہندوستان سے شوبھراج کو نکالنا مشکل ثابت ہورہا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود، سی بی آئی، غالباً ریکارڈ کی خاطر دوبئی سے انیس کو ہندوستان کے حوالے کرنے کی درخواست کرے گی۔ جو توقع ہے رد کردی جائے گی کیونکہ بحرین کی طرح دوبئی سے بھی ہندوستان کا مجرموں کو ایک دوسرے کے حوالے کرنے کا معاہدہ نہیں ہے۔

قانونی ماہرین نے سی بی آئی کی اس بات کے لئے تنقید کی ہے کہ اس نے جنوبی امریکی ملک بیلائز سے رابطہ قائم کرکے یہ معلوم کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی کہ آیا انیس کے پاس سے ملا پاسپورٹ اسی ملک کا جاری کردہ ہے یا نہیں یا یہ کہ وہ اس سلسلے میں ہندوستان کی کوئی مدد کرسکتا ہے یا نہیں۔ بہرکیف قصہ مختصر یہ کہ سی بی آئی کے نقطہ نظر سے ایک اہم ملزم ہاتھوں میں آکر نکل گیا۔ اور کم ہی لوگوں کو توقع ہے کہ انیس یا داؤد ابراہیم کو کبھی گرفتار کیا جاسکے گا تاکہ وہ بمبئی بم دھماکوں کے لئے کورٹ میں جوابدہی کرسکیں۔

●

سربوں کی درندگی کے ثبوت مٹانے کے لیے

بوسنیائی مسلمانوں کی لاشیں مشینوں سے پیسی جارہی ہیں

جب بوسنیا کے گارڈینا گاؤں میں ایک امریکی فوجی یونٹ چند ہفتے قبل پہنچا تو وہاں کی ویرانی فوجیوں کے چہروں سے عیاں تھی۔ ان کے خیمے مسلمانوں کے خاکستر ہوجانے والے مکانوں پر نصب تھے جن کے مکین ۱۹۹۲ میں سربیائی بربریت کا نشانہ بن چکے تھے۔ یہ محاذ بندی کا علاقہ نہیں تھا اس لئے یونٹ کا سربراہ لیفٹیننٹ فوجی اندازہ کرسکتا تھا کہ چونکہ بچی کچھی دیواروں پر کہیں گولیوں کے نشان بھی نہیں ہیں اس لئے وہاں لوگوں پر کیا بیتی ہوگی۔ یہیں سے چار میل کے فاصلے پر واسنیکا کے قریب درختوں سے گھری پہاڑی پر ایک چالیس فٹ چوڑے گڈھے سے کپڑے اور جوتے جھانک رہے تھے اور قریب ہی زمین پر خالی کارتوسوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ اس جگہ آج بھی سربیاؤں کے ہاتھوں قتل ہونے والے سیکڑوں مسلمانوں کو دفن کرنے کا انتظام ہے۔ مسلمانوں کے لئے کھولے گئے ایذا رسانی کے مرکز کا سربیائی سربراہ ڈریگن نیکولک آج بھی ولاسنیکا میں سینہ تانے گھوم رہا ہے اور اس کی طرف کوئی انگلی اٹھانے والا بھی نہیں حالانکہ ہیگ میں قائم بین الاقوامی ٹریبونل کی طرف سے وہ جنگی جرائم میں ماخوذ ہے۔

سوال یہ ہے کہ مجرموں تک قانون کے ہاتھ پہنچ کیوں نہیں پاتے۔ امریکی سرپرستی میں انجام پذیر بلقان امن معاہدے کی شرائط کے مطابق کیا یہ بین الاقوامی ٹریبونل کے حکام کی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ مجرموں کی تلاش میں نکلیں۔ ساٹھ ہزار نفوس پر مشتمل ناٹو فوج کا کام محفوظ فضا کو برقرار رکھنا ہے اور اس طرح کہ جنگی فریقوں کو ایک دوسرے سے دور رکھا جائے۔ سربیائیوں، کروشیوں اور مسلمانوں سب نے یہی وعدہ کیا تھا کہ وہ جنگی جرائم کے ٹریبونل کی مدد کریں گے لیکن اس کام میں مدد کرنے کے لئے درکار پولیس دستے کی تشکیل آج تک نہ ہوسکی۔ ناٹو فوج تعینات ہونے کے بعد سے سربیائی مظالم کی نت نئی داستانیں سامنے آرہی ہیں۔ امن معاہدے کے نفاذ سے کم از کم اتنا تو ہوا ہے کہ ابھی تک جو جنگی مجرمین رسائی سے باہر تھے ان کے بارے میں تفصیلی تفتیش کی جاسکتی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اس صورت حال کے نتیجے میں دو گروہوں کے درمیان تصادم کی نوبت آگئی ہے۔ ایک طرف اخلاق پرست ہیں جو ناٹو فوجوں کو حرکت میں آنے کے لئے دباؤ ڈال رہے ہیں اور دوسری طرف فوج ہے کہ اس خیال سے پیچھے ہٹ رہی ہے کہ ایک ایک آدمی کے پیچھے بھاگ کر دوڑو پکڑو والی دردسری کون مول لے۔ اور ہوا بھی یہی تھا کہ جب ناٹو افواج کے طریقہ کار طے کرنے والے عہدیداران کی میٹنگ امریکی وزارت خارجہ میں ہوئی تھی تو انہوں نے

اتفاق رائے سے یہ طے کیا تھا کہ ناٹو فوجیں مجرمین کی تلاش اور ان کی گرفتاری کا کام انجام نہیں دیں گی۔ تاہم وہائٹ ہاؤس کا اس پر کوئی اصرار نہیں تھا۔ اور ابھی ناٹو افواج کی تعیناتی کا کام چل ہی رہا تھا کہ اس طرح کی خبروں کی بھرمار ہوگئی کہ سربیاؤں نے مسلمانوں کی جو نسل کشی کی تھی اس کے سارے ثبوت مٹانے میں وہ لگے ہوئے ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ بنجالوکا جو سربیائی کارروائیوں کا گڑھ رہ چکا تھا کی اجتماعی قبروں میں سے لاشیں نکال نکال کر کانوں میں استعمال ہونے والی مشینوں سے انہیں پیس ڈالا جارہا ہے تاکہ جرم کی ہر نشانی کو مٹا دیا جائے۔ اس طرح کے نئے الزامات کا اثر یہ ہوا کہ ہیگ ٹریبونل کے سربراہ نے جرائم کے ثبوت کی حفاظت کے لئے اپنی جد وجہد تیز کردی۔ یوروپی سفارت کاروں کا کہنا ہے کہ صدر کلنٹن بھی اب اس خیال سے متفق ہیں کہ جنگی مجرموں کے خلاف بڑے پیمانے پر کامیاب مہم چلائی جائے۔ حقوق انسانی کے اعلی ترین امریکی عہدیدار جان شانوک جنھوں نے پچھلے دنوں قتل گاہوں اور ایذا رسانی کے مراکز کا دورہ کیا تھا ان کا خیال ہے کہ بالکن کی جنگ کے مجرمین کو قرار واقعی سزا دینا بحالی امن کے عمل کا جزو لازم ہے اور اجتماعی احساس جرم کو ہلکا کرنے کے لئے بھی بہت ضروری ہے۔ واضح رہے کہ شانوک نے سربیائی پولیس اور امریکی وزارت خارجہ کے حکام کی حفاظت میں یہ دورہ کیا تھا۔

برٹش "لائٹ ڈریگون" کے میجر رابرٹ پولی سے جب اس الزام کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ بنجالوکا کی کانوں میں مسلمانوں کی لاشوں کے ڈھیر پڑے ہوئے ہیں تو ان کا جواب یہ تھا کہ "ہمیں اور بھی بہت سے اہم کام کرنے ہیں۔" لیکن اس رویے سے باز آنے کے لئے ناٹو پر دن بدن بڑھتے ہوئے دباؤ کو شاید روکا نہ جاسکے۔ اگرچہ اسمتھ کا اصرار ہے کہ مجرمانہ ثبوت خواہ کسی طرح مٹائے جائیں وہ ایسے ٹھکانوں کی حفاظت نہیں کریں گے مگر کلنٹن انتظامیہ کے ایک اعلی افسر کو یقین ہے کہ انہیں ایسے ٹھکانوں کی حفاظت کرنی ہوگی۔ جب بھی ناٹو افواج کی موجودگی میں کوئی اجتماعی قبر دریافت ہوگی یہ مسئلہ شدت اختیار کرتا جائے گا۔

ایران، امریکہ تعلقات میں دھماکہ خیز کشیدگی

ایرانی حکومت کا تختہ پلٹنے کے لیے امریکہ دوکروڑ ڈالر خرچ کریگا

۱۷ سال قبل ایران نے اپنے مرحوم رہنما آیت اللہ خمینی کی قیادت میں مغرب نواز شاہ کا تختہ الٹ کر ایک اسلامی انقلاب کی بنیاد ڈالی تھی۔ یہ انقلاب امریکہ کا سخت مخالف تھا اور کئی مواقع پر اس سپر پاور کو اس نے زک بھی پہونچائی۔ اس وقت سے امریکہ اور ایران کے تعلقات خراب چلے آرہے ہیں۔ امریکہ نے ہر موڑ پر ایران کو کمزور کرنے کی سعی کی۔ یہ بات اب راز نہیں رہی کہ ایران۔ عراق جنگ بھڑکانے میں امریکہ اور علاقہ میں اسکی ہمنوا ریاستوں کا ہاتھ تھا۔ مقصد یہ تھا کہ ایران اس جنگ سے معاشی اعتبار سے اس قدر تباہ ہوجائے گا کہ لوگوں کو اسلامی انقلاب سے نفرت ہوجائے گی اور اس طرح ایک بار پھر کسی مغرب نواز حکومت کے قیام کا راستہ ہموار ہوجائے گا۔ مگر سب جانتے ہیں کہ امریکہ کی یہ چال بھی ناکام ہوگئی۔

حال ہی میں امریکی مجلس نمائندگان کے اسپیکر نیوٹ گنگرچ نے ایران۔ امریکہ کشیدہ تعلقات کو اس وقت مزید خراب کرنے کا سامان فراہم کردیا جب انہوں نے ایران کی اسلامی حکومت کو ختم کرنے کے لئے خفیہ سرگرمیوں کی حمایت کے لئے ۲۰ ملین ڈالر مخصوص کرنے کی تجویز رکھی۔ یہ تجویز پاس ہوچکی ہے۔ گویا ۲۰ ملین

ڈالر اب ان عناصر کو دے جائیں گے جو موجودہ ایرانی حکومت کے مخالف ہیں۔ اس کے جواب میں ایرانی مجلس کے اسپیکر نے بھی یہ تجویز پاس کرالی ہے کہ ایران ۲۰ ملین ڈالر امریکہ کا اصل چہرہ بے نقاب کرنے پر صرف کرے گا۔

ایران میں اگر آپ کسی سے تذکرہ کریں کہ امریکہ ان کی حکومت کو کمزور کرنے کے لئے ۲۰ ملین ڈالر خرچ کرنا چاہتا ہے تو وہ ایک پر معنی مسکراہٹ سے کہے گا کہ "امریکہ ہمیں تنہا کیوں نہیں چھوڑ دیتا۔" مطلب یہ ہے کہ پہلے بھی اس کی ایسی کوششیں ناکام رہی ہیں اور اس نئی تگ و دو کا انجام بھی ویسا ہی ہوگا۔

ویسے اب ایران میں امریکہ کے خلاف پہلے جیسی شدید نفرت باقی نہیں رہی اگرچہ اب بھی مختلف جگہوں پر "امریکہ مردہ باد" لکھا ہوا نظر آئے گا۔ بین اقوامی تجارت کے لئے ڈالر کی ضرورت ہوتی ہے جو بلیک مارکیٹ میں بھاری قیمت پر ہر آن موجود ہے۔ اسی طرح امریکی میگزین اور رسالے بغیر کسی سنسر کے ہر جگہ موجود ہیں۔ ایران دراصل اس وقت اپنی معاشی حالت درست کرنے میں مصروف ہے۔ اسی نقطہ نظر کے مطابق وہ امریکہ سمیت مغرب سے تصادم کے بجائے تعاون چاہتا ہے۔ رشدی کے مسئلے پر ایران نے اپنے موقف میں نرمی محض اسی لئے پیدا کی ہے کہ تاکہ یوروپی ممالک سے کم از کم اس کے معاشی تعلقات استوار ہوجائیں۔ خود امریکہ کے تعلق سے اب ایران میں یہ سوچ پائی جاتی ہے کہ دونوں ملکوں کے تعلقات میں خوشگواری آسکتی ہے بشرطیکہ پہلے یہ ظاہر کردے کہ تہران کے تئیں اس کے ارادے نیک ہیں۔ اس ضمن میں ایرانی یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ابتداء کے طور پر امریکہ پہلے ایران کو وہ ۱۱ ارب ڈالر دے جو اس نے انقلاب کے بعد منجمد کردیا تھا۔

مگر امریکہ ایسا نہیں کرسکتا۔ اس کی وجہ بھی صاف ظاہر ہے۔ ایران اپنی آبادی اور جغرافیائی پوزیشن کی وجہ سے علاقے میں ایک اہم ملک ہے جو اپنے دفاع کے لئے کسی خارجی طاقت کا محتاج نہیں ہے اور جس کی حکومت کو عوام کی زبردست حمایت حاصل ہے۔ اس کے برعکس پڑوسی عرب ممالک بے پناہ دولت کے باوجود فوجی اعتبار سے کمزور ہیں اور ان میں کسی کو بھی اس قسم کی عوامی حمایت حاصل نہیں ہے جیسی کہ ایرانی حکومت کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی فوج کو طاقتور بنانے کی طرف توجہ نہیں دیتے جو بے پناہ دولت کی وجہ سے وہ بہ آسانی کرسکتے ہیں۔ اکثر امیر خلیجی ریاستیں بھاری قیمتوں پر جدید ہتھیار امریکہ اور یوروپی ممالک سے خرید رہی ہیں مگر ان کا مقصد مغرب کی معاشی مدد زیادہ اور اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کم ہے۔ یہ ریاستیں دراصل خود اپنے ہی ملک کی طاقتور فوج سے گھبراتی ہیں۔ ان کے اسی خوف کا امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ ایران کو بڑھا چڑھا کر ایک خطرہ کے طور پر پیش کرکے نہ صرف اپنے ہتھیار بیچتے ہیں بلکہ علاقے میں اپنی فوجی موجودگی کا جواز بھی فراہم کرتے ہیں

باقی ص ۱۳ پر

لالو حکومت پر مویشی پالن اسکینڈل کے سیاہ بادل

کیا لالو اربوں روپے کے گھٹالے کے شکنجے سے نکلنے میں کامیاب ہوجائیں گے

ایک طرف جہاں حوالہ ریکٹ نے پورے ملک میں تہلکہ مچا رکھا ہے وہیں دوسری طرف بہار مویشی پالن محکمے میں ہوئے اربوں روپے کے گھٹالے نے بہار کی سیاست کو تہہ و بالا کردیا ہے ایک طرف جہاں قومی سطح پر بڑے بڑے سیاستداں حوالہ کے سمندر میں غوطہ زن ہیں وہیں دوسری طرف بہار کے وزیر اعلی اور جنتادل کے صدر لالو یادو بھی مویشی پالن گھٹالے کے دلدل میں بری طرح پھنس گئے ہیں۔ جہاں قومی سطح پر حوالہ میں ملوث سیاستدانوں اور وزیر اعظم سے استعفی کا مطالبہ کیا جارہا ہے وہیں لالو یادو حکومت کی برخاستگی کا مطالبہ بھی زور پکڑتا جارہا ہے۔

البتہ ان دونوں معاملوں میں ایک بنیادی فرق ہے وہ یہ کہ حوالہ ریکٹ کی چھان بین سی بی آئی کررہی ہے جبکہ بہار میں سی بی آئی کی چھان بین کے مطالبے کو لالو نے مسترد کرکے کل جماعتی تحقیقات کا کام شروع کروادیا ہے۔ لیکن بہار کی اپوزیشن جماعتیں بالخصوص بی جے پی اور سمتا پارٹی اس سے مطمئن نہیں ہیں اور انہوں نے اپنے مطالبے کے حق میں ریاست گیر بند کا اعلان کردیا ہے۔

اطلاعات کے مطابق محکمہ مویشی پالن میں آٹھ ارب روپے کا گھپلہ کیا گیا ہے اور یہ گھپلہ ۸۰ کی دہائی سے ہی جاری ہے۔ ۱۹۹۰ میں لالو کی حکومت بننے کے بعد بھی یہ سلسلہ جوں کا توں تھا۔

خود بہار حکومت نے اعتراف کیا ہے کہ گذشتہ ساڑھے پانچ سالوں میں مویشی پالن محکمہ کے لئے

لالو یادو اس دلدل سے نکلنے کی حکمت عملی سوچتے ہوئے

جو بجٹ رکھا گیا تھا اس میں سے ۶۰۰ کروڑ روپے زائد نکالے گئے۔ لیکن لالو یادو اس سے لاعلمی کا اظہار کررہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مجھے اس گھٹالے کا پتہ نہیں تھا اور قصور واروں کے خلاف سخت ترین کارروائی کی جائے گی کسی کو بخشا نہیں جائے گا۔ مقامی سطح پر کئی سیاستدانوں اور چھوٹے بڑے افسران کے خلاف ایف آئی آر درج کردی گئی ہے اور ان کی گرفتاریاں ہورہی ہیں کئی لوگ فرار ہوگئے ہیں۔

یہ معاملہ لالو یادو کے جنتادل کا صدر بنتے ہی روشنی میں آیا اور ان کی مخالف جماعتوں نے ان پر چوطرفہ یلغار بول دی ہے۔ ۱۹۹۰ سے لے کر آج تک لالو یادو اس بری طرح کبھی نہیں پھنسے تھے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر لالو کے علم میں یہ گھٹالہ نہ بھی رہا ہو تب بھی اخلاقی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے انہیں مستعفی ہوجانا چاہئے۔ لالو یادو دہلی میں آنے کا خواب دیکھ رہے ہیں اور جب سے وہ جنتادل کے صدر بنے ہیں ان کی پرواز بہت اونچی ہوگئی ہے لیکن بی جے پی ان کے پر کترنے کی کوشش کررہی ہے وہ حوالہ ریکٹ میں ان کی کارروائیوں کا انتقام لینا چاہتی ہے تاکہ بی جے پی کے خلاف انہوں نے جو مہم شروع کی ہے اسے سبوتاژ کیا جاسکے۔ بی جے پی کی ممبر پارلیمنٹ اوما بھارتی کا کہنا ہے کہ جو شخص ایک صوبے کو ٹھیک ڈھنگ سے نہ چلاسکے وہ ایک ملک کو کیسے چلائے گا۔ اگر لالو اس گھٹالے سے لاعلم ہیں تو وہ بے وقوفوں کے لیڈر ہیں اور اگر انہیں اسکا پتہ تھا تو وہ ڈاکوؤں کے سردار ہیں۔

لالو کے خلاف مہم میں بہار کی اپوزیشن پارٹیوں کے اختلافات ابھر کر منظر عام پر آگئے ہیں۔ بی جے پی اور سمتا پارٹی سی بی آئی سے چھان بین کا مطالبہ کررہی ہیں جبکہ بائیں بازو کی پارٹیاں سی بی آئی کا مطالبہ نہ کرکے قصورواروں کے خلاف سخت ترین کارروائی کی مانگ کررہی ہیں اور کانگریس پارٹی اس مسئلے پر خاموش ہے۔

کچھ لوگوں کا الزام ہے کہ کانگریس نے لالو سے ساز باز کر رکھا ہے جبکہ کچھ لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ کانگریس اس وجہ سے خاموش ہے کہ یہ گھٹالہ اسی وقت سے جاری ہے جب اس کی حکومت تھی اور کوئلے کی دلالی میں کانگریس کے بھی ہاتھ سیاہ ہوگئے ہیں۔ کانگریس کو ڈر ہے کہ اگر سی بی آئی نے چھان بین کی تو اس کے بھی کئی بڑے سیاستداں اس کی گرفت میں آجائیں گے۔ یوں بھی مرکزی وزیر رام لکھن سنگھ یادو کے داماد کو اس گھٹالے میں ملوث ہونے کے الزام میں جیل بھیجا جاچکا ہے اور دوسرے مرکزی وزیر جگن ناتھ مشرا کے ایک قریبی رشتے دار کی تلاش ہورہی ہے۔ لہذا کانگریس خاموشی اختیار کرنے پر مجبور ہے۔

لالو یادو اسے سماجی انصاف کا ایشو بناتے ہوئے کہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ "پسماندہ طبقات" اور غریبوں کے خلاف اونچی ذات کے لوگوں نے مہم چھیڑ رکھی ہے۔ لیکن لالو کی دلیل لوگوں کے حلق کے نیچے نہیں اتر رہی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ لالو اس دلدل سے کس طرح نکل کر اپنی صاف ستھری امیج کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

سیاسی جماعتیں مطمئن ہیں کہ مسلمان جائیں گے کہاں؟

قمر اعظم ہاشمی

> بیسویں صدی کا آخری پارلیمانی چناؤ جیسے جیسے قریب آتا جاتا ہے، تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ روٹی روزی حاصل کرنے کی فکر بڑھتی جاتی ہے۔ فرقہ کا حصہ طلب کرنے کی جگہ "برادری کا حصہ" مانگا جارہا ہے۔ فرقہ کی جان مال، عزت و آبرو فروخت کرکے، اپنی اپنی اوقات کے مطابق سب اپنا اپنا الو سیدھا کرنے میں لگے ہیں۔

بھاگلپور فرقہ وارانہ فساد، بابری مسجد کے انہدام اور پھر ملک کے متعدد مقامات پر فسادات کی خونیں لہر کے بعد جو سیاسی طوفان برپا ہوا۔ اس سے فائدہ اٹھانے میں تو لوگ مصروف ہیں مگر ملک کی ایک بہت بڑی اقلیت کو جو گہرا زخم لگا اور ابتک ذلتوں کے جس اعصابی تناؤ سے گذرنا پڑ رہا ہے اس کے تدارک کی بات بھی اب کوئی نہیں کرتا۔ کانگریسی سربراہ جگہ جگہ بار بار یہ کہتے پھرتے ہیں کہ کانگریس کو معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کانگریس کیوں معافی مانگے؟ مسجد کا انہدام تو بھاجپائیوں کے ذریعہ ہوا۔ اسلم شیر خاں (مرکزی وزیر) نے تو کسی خوش فہمی میں مبتلا ہوکر یہ بھی کہہ دیا کہ مسلمانوں کو بابری (مسجد) سے زیادہ برابری چاہئے۔ دراصل کانگریسی سربراہ ہندو ووٹ کو زیادہ ناراض کرنا بھی نہیں چاہتے۔ بھاجپائی اس انہدام کی کارروائی کو قومی تفاخر کی علامت مانتے ہیں اور اعلانیہ کہتے ہیں کہ ہندو قوم کی یہ مذہبی فتحمندی ہے۔ جنتادل، سماجوادی پارٹی، کمیونسٹ یا کسی دوسری سیاسی جماعت نے ابتک کوئی واضح موقف اختیار نہیں کیا ہے۔ کسی نے وزیر اعظم کے اس قومی وعدے کو بھی یاد دلانے کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے کہ مسجد کی تعمیر دوبارہ اسی جگہ پر ہوگی۔ بعض سیاسی جماعتوں کا ذہن تو یہ ہے کہ "مسلمان جائیں گے کہاں؟" ووٹ تو انہیں دینا ہی ہے۔ کچھ نیم مذہبی سیاسی مسلم رہنما جو "بابری مسجد" کے انہدام کے بعد جذباتی تقریریں کرتے پھرتے تھے اور مسلمانوں کو باور کرارہے تھے کہ کانگریس کو ووٹ دینا جائز نہیں ہے، اب اپنی جیب اور سیاست گرم کرنے اور روٹیاں سینکنے میں لگے ہیں۔ ان کے اندر بھی اس کی ہمت نہیں کہ وہ اپنے "سیاسی آقاؤں" سے مطالبہ کریں کہ اس سنگین حملہ اور جرم کے سلسلہ میں واضح موقف اختیار کریں۔ اور یہ بتلادیں کہ الیکشن میں کامیابی کے بعد وہ اس زخم کا علاج کیسے کریں گے؟

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سیاسی پارٹیوں کو اس کا یقین ہوچلا ہے کہ مسلمان اس زخم کو بھول چکے ہیں یا بھولتے جارہے ہیں۔ یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ کوئی چوٹ پہنچے تو اس کی تکلیف دھیرے دھیرے وقت کی گرد میں دبتی جاتی ہے مگر کوئی چوٹ اتنی گہری اور زخم اتنا کاری ہوتا ہے کہ اس کا مندمل ہونا مشکل ہوجاتا

> ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سیاسی پارٹیوں کو اس کا یقین ہوچلا ہے کہ مسلمان اس زخم کو بھول چکے ہیں یا بھولتے جارہے ہیں۔ یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے۔

ہے۔ عبادت خانوں کا انہدام کوئی خاص بات نہیں۔ زلزلہ میں، سیلاب میں فرقہ وارانہ فسادوں اور جنگوں کے دوران عبادت خانے بھی برباد ہوتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ منصوبہ بند عیارانہ سازشوں کے ذریعہ "بابری مسجد" کو منہدم کرکے ملک کی بہت بڑی مذہبی اقلیت کو یہ جتلادیا گیا کہ "ہندو فرقہ" کی بالادستی قبول کرنی ہوگی اور یہ (ہندو فرقہ) جو چاہے گا، وہی ہوگا۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۸۹ میں شیلا یوجن یاتراؤں کے عہد میں (بھاگلپور فساد اسی زمانے کی دین ہے) بہار یونیورسٹی میں آنرز کے امتحانات چل رہے تھے۔ گیروے رنگ کی پٹیاں باندھے، جے شری رام کا نعرہ بلند کرتے ہوئے "ہندو نوجوان" متعدد مراکز امتحان میں داخل ہوئے اور مسلمان طالب علموں پر جارحانہ انداز میں دباؤ ڈالا کہ وہ اپنی کاپیوں پر (اردو رسم الخط پہچان کر) "جے شری رام" تحریر کریں۔ ریاست کے متعدد مقامات پر ٹمپو سے ٹرین تک کے مسلم مسافروں کو (داڑھیاں پہچان کر) دبوچ کر انہیں "جے شری رام" کا نعرہ بلند کرنے پر مجبور کیا گیا۔ ریاست کے تمام اہم شہروں، اہم گذرگاہی موڑوں

باقی صـ۱۲ـ پر

مسجد پر راکٹوں سے حملہ یا جنگ کی تیاری

۲۲ نمازیوں کی شہادت کا ذمہ دار کون ہندوستانی فوج پاکستانی سیاست

نماز جمعہ کا وقت، مسجد میں نمازیوں کی بھیڑ اور باجماعت نماز کی تیاری۔ کہ اچانک مسجد پر دو راکٹ گرتے ہیں، نمازیوں میں افراتفری اور خوف و ہراس پھیل جاتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگنے لگتے ہیں۔ چیخیں

کھوئی کی مسجد میں تباہی کا منظر

اور کراہیں بلند ہونے لگتی ہیں اور کچھ لوگ زخمیوں اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردینے والوں کو اٹھانے کے لئے لپکتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں جب ہنگامہ کچھ فرو ہوتا ہے اور لوگوں کے حواس بحال ہوتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ۲۲ نمازی شہید اور بے شمار زخمی ہوچکے ہیں۔

یہ پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے شہر کھوٹہ کی ایک مسجد کا منظر ہے اور تاریخ ۲۶ جنوری ۹۶ ہے۔ یہ شہر ہندوستان پاکستان کے درمیان کنٹرول کی حقیقی لائن سے محض ۶ کلومیٹر اندر ہے۔ اس واقعہ کے بعد دونوں ممالک کی فوجیں صف آرا ہوجاتی ہیں اور اطلاعات کے مطابق ایک دوسرے پر گولہ باری شروع کردیتی ہیں۔ ایک غیر ملکی رسالہ کے مطابق ۳۰ جنوری کو جاکر کہیں توپیں خاموش ہوتی ہیں۔ اس کے بعد سلسلہ چل رہا ہے دونوں ملکوں کے درمیان سفارتی الزام تراشیوں کا۔ اس واقعہ سے ہزار ہوا ایک اور

واقعہ ہے۔ ۲۶ جنوری کو مسجد پر راکٹوں سے حملہ ہوتا ہے اور ۲۷ جنوری کو ہندوستان پرتھوی میزائیل کو کامیابی سے داغنے کا کام انجام دیتا ہے۔ پاکستانی حکمرانوں کے بیانات پر یقین کریں تو دونوں واقعات ایک ہی زنجیر کی دو کڑیاں ہیں۔ پاکستان کا کہنا ہے کہ ہندوستان

نے ہی یہ حملہ کیا ہے اور اس لئے کیا ہے کہ تاکہ ۲۷ جنوری کو پرتھوی کے داغنے کے تجربے سے لوگوں کی توجہ دوسری طرف مبذول کی جاسکے۔ لیکن ہندوستان کا کہنا ہے کہ یہ حملہ خود پاکستانیوں نے کیا ہے۔ اس سلسلے میں ہندوستان کی طرف سے دو قسم کے بیانات جاری ہوئے ہیں۔ ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ پاکستان نے ہندوستان کے یوم جمہوریہ کو سبوتاژ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور خود اپنے ہی حملے کا شکار ہوگیا۔ دوسرے بیان میں کہا گیا ہے کہ چونکہ مقبوضہ کشمیر میں رہ رہے افغان پناہ گزینوں سے پاکستان کا تنازعہ چل رہا ہے اور افغان پناہ گزینوں کے خلاف پرتشدد کارروائیاں بھی ہوئی ہیں۔ کچھ گروپوں نے انہیں مقبوضہ کشمیر سے چلے جانے کی آخری تاریخ ۳۱ مارچ طے کردی ہے لہذا یہ واقعہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ پاکستان کے صدر فاروق احمد لغاری

نے اس واقعہ پر ہندوستان کو دھمکی دیتے ہوئے کہا ہے کہ ہم اس کا جواب ضرور دیں گے۔ پرتھوی میزائیل کے داغنے سے بھی پاکستان

ہند پاک سرحد پر فوجی چوکسی

میں زبردست ہلچل پیدا ہوگئی ہے۔ کیونکہ اب ہندوستان پاکستان کے ہر شہر کو آسانی سے اپنا نشانہ بنا سکتا ہے۔ ۱۹۸۸ کے بعد سے ہندوستان کی جانب سے پندرہواں تجربہ تھا۔ ۲۷ جنوری کو پرتھوی کی نمائش بھی کی گئی تھی۔ پاکستانی

پارلیمنٹ نے اسے اس خطے میں زبردست خطرہ سے تعبیر کیا ہے۔ پاکستانی وزیر خارجہ سردار آصف احمد علی نے الزام لگاتے ہوئے کہا ہے کہ ہندوستان جنوبی ایشیا کے دادا کی حیثیت سے خود کو پیش کررہا ہے۔ انہوں نے بھی اس کا جواب دینے کی دھمکی دی ہے۔ انہوں نے راکٹ حملہ اور پرتھوی میزائیل کے داغنے کے تجربے کو

باقی صـ ۱۶ پر

نیشنل فرنٹ کے محاذ پر لالو کا امتحان

کیا لالو قومی مورچہ کے چہرے کی پلاسٹک سرجری میں کامیاب ہوجائیں گے

پارلیمانی انتخابات قریب آگئے ہیں۔ سیاسی پارٹیاں انتخابی مہم کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ ان تیاریوں میں سب سے بڑی تیاری روٹھے رائے دہندگان کو منانا اور مختلف علاقائی اور ریاستی پارٹیوں سے اتحاد قائم کرنا ہے۔ کانگریس جہاں مسلمانوں کو پٹانے کے لئے دامے، درمے، قدمے، سخنے مہم چلائے ہوئے ہے وہیں بی جے پی حوالہ کے غبار سے نکلنے اور رام کے چرنوں میں واپس جانے کی تڑپ کا خفیہ اظہار کررہی ہے۔ نیشنل فرنٹ اور لیفٹ فرنٹ بھی اپنی اپنی تیاریوں میں مصروف ہیں، ان لوگوں کی اہم اور بنیادی کوشش علاقائی پارٹیوں کو ایک چھتری کے نیچے لاکر نیشنل فرنٹ کو وسیع کرنا ہے لیکن ان میں آپسی اختلاف اور انانیت کا ٹکراؤ اس درجہ ہے کہ کسی نتیجے پر پہنچنے سے قبل ہی مذاکرات ناکام ہوجارہے ہیں۔

بہار کے وزیر اعلیٰ لالو یادو نے جنتادل کے صدر کا عہدہ سنبھالنے کے بعد بی ایس پی اور ایس پی دونوں سے اتحاد کرنے کا اشارہ دیا تھا اس درمیان اخبارات میں کانشی رام کو نیشنل فرنٹ کا چیرمین بنانے کی خبریں اڑ گئیں۔ لالو نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ ان کے جیسا آدمی کانشی رام کو قومی مورچہ کا صدر نہیں بنائے گا۔ ادھر ملائم سنگھ کانشی رام کے معاملے پر انتہائی سخت موقف اختیار کئے بیٹھے ہیں جبکہ دوسری طرف کمیونسٹ پارٹیوں نے کچھ ایسا عندیہ دیا ہے کہ اگر کانشی رام کے ساتھ اتحاد نہیں ہوا تو بی جے پی کو شکست دینا مشکل ہوجائے گا۔ جنتادل اور سماجوادی پارٹی میں لوگوں کے ذاتی مفادات ایک دوسرے سے اس قدر متصادم ہیں کہ انہیں پارٹی مفادات نظر ہی نہیں آرہے ہیں۔ اتر پردیش جنتادل ملائم سے اتحاد کرنے کے حق میں نہیں ہے بلکہ وہ ملائم کو ایک آنکھ بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔ وہ کانشی رام سے اتحاد کے حق میں ہے۔ ادھر لالو اور ملائم کی ملاقات کی تاریخ طے نہیں ہو پارہی ہے کہ دونوں نشستوں پر تال میل کرلیں۔ حالانکہ یہ فیصلہ کئی مہینے پہلے ہوچکا ہے کہ جنتادل اور سماج وادی میں اتحاد ہوگا۔

جہاں تک نیشنل فرنٹ کے چیرمین کا تعلق ہے ابھی اس کا بھی مسئلہ حل نہیں ہوا ہے۔ این ٹی راما راؤ کی موت کے بعد سے اب تک اس عہدے پر کسی کا انتخاب نہیں ہوسکا ہے۔ دریں

اننا ایک پریس کانفرنس میں کرناٹک کے سابق وزیر اعلیٰ اور سینئر لیڈر رام کرشن ہیگڑے نے کہا کہ وہ نیشنل فرنٹ کا چیرمین بننے کو تیار ہیں

بشرطیکہ انہیں اس کے لئے کہا جائے۔ لالو اس کو قطعی پسند نہیں کریں گے۔ وہ تو انہیں جنتادل کا صدر بنانے پر بھی راضی نہیں تھے چہ جائے کہ نیشنل فرنٹ کا چیرمین بنانا۔ لالو نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ چونکہ نیشنل فرنٹ میں جنتادل کے علاوہ اور کوئی بڑی پارٹی نہیں ہے یا جنتادل کو نکال دیں تو نیشنل فرنٹ ختم ہوجاتا ہے اس لئے چیرمین کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔

ادھر جنتادل کے سینئر لیڈران علاقائی پارٹیوں سے اتحاد میں تاخیر کی بنا پر پارٹی قیادت سے ناراض ہیں۔ نیشنل فرنٹ وسعت کے بجائے سکڑنے لگا ہے۔ تمل ناڈو میں جنتادل نے وزیر اعلیٰ جے للتا پر ڈورے ڈالنے شروع کئے تو ڈی ایم کے کے صدر کروناندھی کود کر الگ ہوگئے۔ تین مہینے ان کو "گھر" چھوڑے ہوئے لیکن ابھی تک جے للتا نے اشاروں کنایوں میں بھی جنتادل کا دل رکھنے کی یقین دہانی نہیں کرائی ہے بلکہ ان کے بیانات کا جائزہ لیا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ وہ کانگریس سے اتحاد

کریں گی۔ لالو اور دیوگوڑا پر امید ہیں کہ بڑی بی ہم لوگوں کے ساتھ آجائیں گی جبکہ پاسوان اور شرد یادو کا خیال ہے کہ ڈی ایم کے کو پھر سے راضی کرنا چاہیے۔ آندھرا پردیش میں تیلگو دیشم دو گروپوں میں بٹ گیا ہے۔ سی پی آئی نائیڈو گروپ کا ساتھ دے رہی ہے لکشمی پاروتی گروپ جنتادل کے قریب سمجھا جارہا ہے۔ دونوں میں اتحاد کی کوئی صورت نہیں ہے۔ جنتادل کا ایک طبقہ پاروتی گروپ کا حامی ہے۔ تو دوسرا نائیڈو گروپ کا۔ آسام میں آسام گن پریشد بھی فرنٹ سے الگ ہوگیا ہے۔ بائیں پارٹیاں گن پریشد سے اتحاد کرنے میں کامیاب ہوگئی ہیں یہ بھی پتہ چلا ہے کہ گن پریشد اور ریاستی جنتادل میں ٹکراؤ کی فضا ہے۔ پنجاب میں اکالی دل بادل نے بی ایس پی سے اتحاد کرلیا ہے۔ گویا نیشنل فرنٹ کی مسخ شدہ شکل و صورت کی پلاسٹک سرجری میں ابھی کافی دیر ہے۔

اس طرح دیکھا جائے تو لالو یادو زبردست

باقی صـ ۱۶ پر

ہاں مجھے ایسے فلسطینیوں کی معصومیت پر ترس آتا ہے

میں اکثر سوچتا ہوں کہ عرفات کے ہاتھوں جمہوریت کتنی محفوظ ہوگی

انسانی حقوق کے ایک فلسطینی محقق باسم عید کی تحریر

فلسطینی ریاست اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کو تسلیم کرنے کا اعلان کرتی ہے۔ اسی کے ساتھ وہ انسانی حقوق کے بین الاقوامی اعلامیے کو بھی قبول کرتی ہے۔ یہ سب ۱۹۸۸ کی آزادی کے فلسطینی چارٹر میں درج ہے۔ فلسطینی قیادت نے انصاف و عدل کے بین الاقوامی معیار کے تئیں اپنی وفاداریوں کا بارہا اظہار کیا ہے۔ لیکن غازہ اور جیریکو (اریحہ) میں فلسطینی اتھارٹی کے قیام کے بعد یہ سارے آئیڈیل ختم ہوگئے ہیں اور صرف زبانی جمع خرچ باقی ہے۔

انسانی حقوق کے ایک فلسطینی محقق کی حیثیت سے مجھے یاد آتا ہے کہ اوسلو معاہدے کے بعد مجھ سے میرے دوست اکثر سوال کرتے کہ میں قیام امن کے بعد کیا کروں گا؟ میرا کیا مشغلہ ہوگا؟ جب جواباً میں کہتا کہ میں انسانی حقوق ہی کے لئے کام کرتا رہوں گا تو وہ مجھ پر ہنس دیتے۔

میرے دوست اب کچھ عرصہ سے نہیں ہنستے خاص طور سے جب انہیں پتہ چلا کہ فلسطینی اتھارٹی نے مجھے ۲۴ گھنٹہ محض اس لئے زیر حراست رکھا کہ میں نے اس کی بعض جابرانہ پالیسیوں پر تنقید کی تھی۔ بہت سے فلسطینیوں کو فلسطینی اتھارٹی سے مایوسی ہوئی ہے اور مجھے ان کی معصومیت پر ترس آتا ہے۔

۱۹۹۴ میں خود مختاری کے آغاز کے بعد سے سیکورٹی فورسز کے ذریعہ حقوق انسانی کی پامالی ایک عام بات ہے۔ خاص طور سے اظہار خیال کی آزادی پر پابندی، یا اس پر روک لگانا، حراست کے دوران تشدد اور مخالفین کا لمبے عرصے تک بلاوجہ بتائے حراست میں رکھنا، بہت عام ہیں جولائی ۱۹۹۴ میں غازہ میں پہلا قیدی فلسطینی پولیس کی زیر حراست، تشدد کی تاب نہ

لاکر ہلاک ہوگیا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک فلسطینی جیل میں ۶ اور افراد تشدد سے ہلاک ہوچکے ہیں۔

اس کے علاوہ اتھارٹی نے تین فلسطینی اخباروں کو لمبے عرصے کے لئے شائع نہیں ہونے دیا ہے۔ اور جب میں صحافیوں سے اس ضمن میں انٹرویو لینا چاہتا ہوں تو وہ یہ کہہ کر انکار کردیتے ہیں کہ وہ حراست میں لیا جانا نہیں چاہتے۔ یہ ماحول صرف نامہ نگاروں کو ہی متاثر نہیں کررہا ہے بلکہ انہیں اطلاعات فراہم کرنے والے ذرائع کو بھی۔ ظاہر ہے اس سے پریس سے لوگوں کا اعتبار اٹھ جائے گا۔
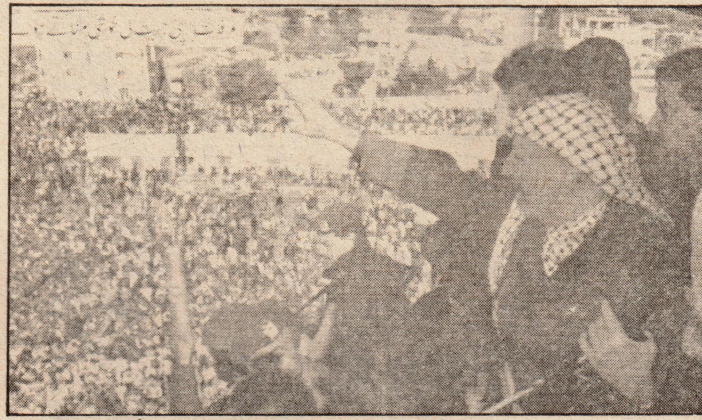
پریس کی کمزوری نے الیکشن کے عمل میں رخنہ ڈالا۔ سرکاری فلسطینی ٹی وی نے شروع میں یاسر عرفات کے مخالف امیدوار کو اپنی بات کہنے کا موقع نہیں دیا۔ ۳ سے ۱۰ جنوری تک یاسر عرفات کو اسی ٹی وی نے امیدوار کی حیثیت سے ہر روز ۶ منٹ بولنے کا وقت دیا اور ۹ گھنٹہ بحیثیت "صدر" کے۔ اس پورے عرصے میں مخالف صدارتی امیدوار کا کبھی نام تک نہیں لیا گیا۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے "سرحد کے نامہ نگار" کا ایک گروپ جس کا دفتر پیرس میں ہے اور جس سے میں وابستہ ہوں، نے بارہا تنقید کی تو مخالف امیدوار کو ۴ منٹ بولنے کے لئے دیے گئے۔ ٹی وی اسٹیشن اب یہ دعوی کرسکتا ہے کہ سمیحہ کو عرفات سے کہیں زیادہ وقت دیا گیا۔

ان سب باتوں نے انتخابات کے صاف ستھرے ہونے اور فلسطینی جمہوریت کے مستقبل پر سوالیہ نشان لگادیا ہے۔ ۸۸ رکنی فلسطینی کونسل کے لئے، سو سے زائد امیدوار میدان میں تھے جس میں اکثر یا تو الفتح (عرفات کی پارٹی) کے ممبر تھے یا ان کے زبردست حامی۔ خود عرفات نے الفتح کے ذریعہ پیش کی گئی امیدواروں کی لسٹ کو رد کردیا تھا اور بعض ان "آزاد" امیدواروں کی حمایت کی جو انہیں زیادہ پسند تھے۔

میں امید کرتا ہوں کہ اس سب کے باوجود فلسطینیوں نے بعض ایسے نمائندے منتخب کئے ہیں جو انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے ایک لابی بنالیں گے۔ یہ نمائندے جابرانہ پالیسیوں کے بدلنے کے لئے کام کرسکتے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ حکومت کو من موجی انداز میں کام کرنے سے بھی باز رکھنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ لوگ قوانین کے ایک مجموعے اور ایک آزاد عدلیہ کے لئے دباؤ ڈال سکتے ہیں جو اس وقت ناپید ہیں۔ ایسی اصلاحات کے بغیر یہی کہا جائے گا کہ فلسطینی عوام نے اسرائیلی قبضے کا ایک دوسرے قسم کے قبضے سے تبادلہ کرلیا ہے۔

نوٹ۔ ملی ٹائمز کی اطلاع کے مطابق ۸۸ رکنی "پارلیامنٹ" میں ۶۶ عرفات کے حامی ہیں۔ ۵ ان کی پارٹی کے ٹکٹ پر جیتے ہیں بقیہ ۱۶ آزاد امیدوار کی حیثیت سے۔ بقیہ ۲۲ بھی آزاد امیدوار ہی ہیں جن میں حماس کے چار باغی امیدوار بھی شامل ہیں۔ جیتنے والوں میں حنان اشراوی بھی شامل ہیں جو عرفات کے انداز حکومت کی زبردست ناقد ہیں۔ واضح رہے کہ حماس نے بحیثیت پارٹی انتخاب میں حصہ نہیں لیا تھا لیکن آخر وقت میں اس نے اپنے حامیوں سے کہا تھا کہ وہ ان امیدواروں کو ووٹ دیں جو مضبوط اور کردار والے ہیں۔ انتخابات میں عوام کی بھاری شرکت کی بھی یہی وجہ ہے کہ حماس نے ایک طرح سے بائیکاٹ کی اپیل واپس لے لی تھی۔ ●

روس کو خوف ہے کہ تاجکستان کہیں چیچنیا نہ بن جائے

اگرچہ تاجکستان سابق سویت یونین کے انتشار و زوال کے بعد سے کہنے کو ایک آزاد ملک ہے لیکن اس کے سابق آقاؤں کو یعنی روسیوں کو اب بھی اس ملک میں اس قدر دلچسپی ہے کہ وہ اس پر بالواسطہ اپنا کنٹرول کسی نہ کسی طرح قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ فروری کے پہلے ہفتہ میں روس کے وزراء خارجہ و دفاع دونوں تاجک راجدھانی دوشانبے میں تھے۔ یہ دونوں وزیر ایک خاص مشن پر تھے۔ چیچنیا میں بری طرح پھنس جانے کے بعد وہ چاہتے ہیں کہ کسی اور جگہ، خاص طور سے تاجکستان میں انہیں ملوث نہ ہونا پڑے۔ دراصل تاجکستان میں اس کی آزادی کے فوراً بعد سے سابق و موجودہ کمیونسٹوں اور اسلام پسندوں کے درمیان جنگ چل رہی ہے۔ روسی اس کوشش میں ہیں کہ کسی طرح جنگ ختم ہو اور امن قائم ہوجائے۔ کیونکہ انکے نقطہ نظر سے روس کے پڑوس میں خون خرابہ اس کے حق میں نہ ہوگا

تاجکستان آج تقریباً دو حصوں میں بٹا ہوا ہے مغربی اور مشرقی تاجکستان۔ مغربی تاجکستان پر کمیونسٹوں کا قبضہ ہے جبکہ مشرقی تاجکستان کے پہاڑی علاقوں میں اسلام پسند غالب ہیں۔ روس کے زوال کے بعد ان اسلام پسندوں نے دوشانبے پر قبضہ کرکے اپنی حکومت قائم کرلی تھی۔ یہ صورتحال ظاہر ہے روس کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ سو اس نے مغربی تاجکستان کے کمیونسٹوں کی کھلم کھلا مدد کی۔ بعضوں کے بقول اپنی فوج اور ہتھیار سے باقاعدہ ان کی مدد کی۔ چنانچہ ۶ ماہ کی خانہ جنگی کے بعد کمیونسٹ روس کی مدد سے ۱۹۹۲ میں دوبارہ برسراقتدار آگئے۔ دوشانبے پر انکا قبضہ بحال ہوگیا۔ اس وقت سے اگرچہ یہ روس حامی کمیونسٹ تاجکستان، خاص طور سے دارالحکومت اور مغربی حصے پر حکومت کررہے ہیں لیکن گاہے بگاہے مشرقی حصوں میں جنگ بھڑک اٹھتی ہے۔ دراصل مشرقی حصے پر اسلام پسندوں کا تقریباً قبضہ ہے۔ دونوں متحارب گروپوں کے درمیان آزاد ریاستوں کی کامن ویلتھ نے ایک سمجھوتہ کرادیا تھا اور امن کو برقرار رکھنے کے لئے ان آزاد ریاستوں کی ۲۵ ہزار فوج وہاں متعین ہے جس میں روسی سب سے زیادہ تعداد میں ہیں۔

اقوام متحدہ کی کوششوں سے متحارب گروپوں کے درمیان کئی بار مذاکرات ہوچکے ہیں۔ فروری کے پہلے ہفتہ میں ترکمانستان کے دارالحکومت میں مذاکرات کا پانچواں دور شروع

یلتسن اپنا غم غلط کرتے ہوئے

ہوا۔ روس حامی کمیونسٹ، جو اب خود کو کمیونسٹ نہیں کہتے، روس کے دباؤ کے باوجود اسلام پسندوں کو اقتدار میں حصہ نہیں دینا چاہتے جس کا وہ مطالبہ کررہے ہیں اور اب جس کی روس بھی حمایت کررہا ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ یہاں بھی چیچنیا جیسی صورتحال قائم رہے۔ دراصل روس کو تاجکستان میں اپنا اثر قائم رکھنے کے لئے کافی رقم خرچ کرنی پڑرہی ہے۔

مذاکرات کے پانچویں دور سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوا ہے۔ دراصل مذاکرات شروع ہونے سے چند روز قبل ۲۱ جنوری کو ملک کے مفتی فتح اللہ شریف زادہ کو نامعلوم بندوق برداروں نے گولی مار کر ہلاک کردیا تھا۔ مفتی کے ساتھ ان کی بیوی، بیٹے، سالی اور ایک رفیق کار کا بھی قتل کردیا گیا تھا۔ فتح اللہ کو ۱۹۹۲ میں اپنی فتح کے بعد کمیونسٹوں (اب سابق) نے مفتی بنایا تھا۔ ان سے قبل اکبر تران زادہ تاجکستان کے مفتی تھے جو کمیونسٹوں کے سخت مخالف ہیں اور ان کی فتح کے بعد سے ملک سے باہر چلے گئے۔ حکومت یا کمیونسٹوں کو شبہ ہے کہ فتح اللہ کا قتل حکومت کے مخالفین نے کرایا ہے۔

فروری مذاکرات سے قبل دسمبر میں مذاکرات ہوئے تھے۔ مذاکرات کے دوران ہی دونوں گروپوں کے درمیان تاویل درا میں جھڑپیں شروع ہوگئی تھیں۔ ان جھڑپوں میں حکومت کے کم از کم دو فوجی مارے گئے تھے۔ سیاسی و فوجی کشمکش کی وجہ سے اور سابق کمیونسٹوں کے برسر اقتدار رہنے کی وجہ سے تاجکستان میں وہ معاشی اصلاحات نہیں ہوپائی ہیں جو دوسری آزاد ریاستوں میں مغرب کے دباؤ کی وجہ سے آئی ہیں۔ حکومت اپنی بقاء کے لئے روسی امداد پر انحصار کرتی ہے۔ معاشی طور پر پریشان حال روس غالباً اسی وجہ سے اب یہ چاہتا ہے کہ اس کے حامی

باقی صـــ ۱۲ پر

دراصل وہ خطرناک جانور سانپ نہیں بلکہ شیطان تھا

میں آپ کو ایسی باتیں بتاؤں گا جو کہیں تحریر نہیں ہیں

ابلیس کے باغی رفیق کا انٹرویو ———— گیارھویں قسط

پچھلی قسط میں ہم جن سے اس موضوع پر مکالمہ پیش کر چکے ہیں کہ کیا اجنہ انسانوں کو اس طرح نظر آتے ہیں جس طرح عام انسان ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ اور جیسا کہ جن نے بیان کیا کہ اس کے نظر آنے کی تین استثنائی حالتیں ہیں جن میں سے ایک مرئی صورت میں ظاہر ہونا ہے جس کے ثبوت میں اس نے سورہ انفال کی آیت (نمبر ۸۴) پیش کی اور پھر انٹرویور سے اس آیت کی تفسیر کی فرمائش کی۔

فرمائش کے جواب میں اس نے کہا کہ قرطبی نے اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے کہ روایت ہے کہ شیطان ایک دن قبیلہ بنی بکر بن کنانہ کے سردار سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں اہل قریش کے سامنے آیا۔ اہل قریش اس بات سے خائف تھے کہ بنی بکر بن کنانہ کے لوگ ان پر پیچھے سے حملہ آور ہوں گے کیونکہ اول الذکر نے ان کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا۔ ایک اور مفسر ضحاک نے بیان کیا ہے کہ غزوہ بدر کے دن ابلیس اہل قریش کے پاس اپنے لشکر کے ساتھ آیا اور ان کے دل میں یہ بات بٹھائی کہ وہ شکست سے دوچار نہیں ہوں گے کیونکہ وہ اپنے آباو اجداد کے دین یعنی شرک کی حفاظت کے لئے جنگ کر رہے تھے۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مدد کے لئے ایک ہزار فرشتے بھیجے اور جبریل پانچ سو منتخب فرشتوں میں شامل تھے اور فوج کے یہ چنیدہ افراد میمنہ اور میسرہ کی تشکیل کرتے ہیں۔ میکائیل بھی اسی منتخب دستے میں تھے۔ ابلیس بنی مدلج کے لوگوں کی صورت اختیار کیے ہوئے شیطانوں کی فوج کے ساتھ جھنڈا اٹھائے ہوئے آیا۔ خود اس نے سراقہ بن مالک بن جعشم کی شکل اختیار کر رکھی تھی۔ شیطان (ابلیس) نے مشرکوں سے کہا۔ آج انسانوں میں سے کوئی تمہیں مغلوب نہیں کر سکتا اس لئے کہ میں تمہارا حامی و مددگار ہوں۔ جب اہل قریش صف آرا ہو گئے تو ابوجہل نے کہا "اے اللہ ہم میں سے جو حق پر ہو اس کی مدد فرما۔" اور ادھر رسول اللہؐ نے اپنا ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی۔

اے میرے رب اگر یہ مختصر سا مجموعہ ہلاک ہو گیا تو روئے زمین پر تیری عبادت کبھی نہ ہو پائے گی۔ تو جبریلؑ نے رسول اللہؐ سے کہا۔ ایک مٹھی دھول اٹھاؤ۔ رسول اللہؐ نے دھول مٹھی میں بھر لی اور مشرکین کے چہروں پر پھینک دی۔ تو مشرکین میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں، نتھنوں اور منہ میں دھول نہ بھر گئی ہو۔ اب وہ پیٹھ دکھا کر بھاگے۔ جبریل ابلیس کی طرف بڑھے اس نے جبریل کو دیکھا تو وہ مشرکین میں سے ایک شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دئے ہوئے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے (فوراً) اپنا ہاتھ چھڑایا اور اپنے حامیوں کے ساتھ پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ تو وہ شخص جس سے ابلیس ابھی تک باتیں کر رہا تھا بولا۔ اے سراقہ کیا تم نے ہم سے نہیں کہا تھا کہ تم ہمارے طرفدار ہو۔ تو اس نے کہا میں تم سے بری الذمہ ہوں۔ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔
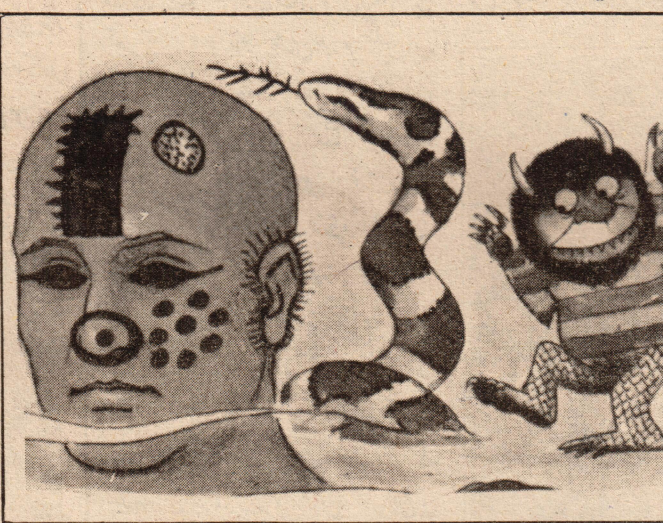
جن:۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ابلیس جو اجنہ میں سے ہے اس نے ایک انسان کی صورت اختیار کر لی جس سے اسے دیکھنا اور اس سے مخاطب ہونا ممکن ہوا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے انسانی مخلوق میں سے ایک شخص کے ہاتھ میں باقاعدہ ہاتھ دے کر انسانی طور طریقوں کے مطابق تعاون اور مدد کا وعدہ کیا۔ اور صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ ایک جن سانپ کی شکل بدل کر نمودار ہوا تھا۔ تو ایک نوجوان کو جس نے اسے مارا تھا جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔

اگر آپ کے پاس صحیح مسلم ہو تو لائیے۔

سائل:۔ میں نے صحیح مسلم میں سے وہ واقعہ پڑھنا شروع کیا جس کی طرف جن نے اشارہ کیا تھا۔ ابو سائب ایک دن ابو سعید خذری کے گھر گئے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ صاحب خانہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ تو وہ نماز ختم ہونے تک ان کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ اچانک انھوں نے چھت کی شہتیروں میں کوئی سرسراہٹ محسوس کی۔ انھوں نے نظر گھما کر دیکھا تو وہاں سانپ تھا۔ وہ اسے مارنے کے لئے لپکے۔ خذری نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ بیٹھے رہو تو وہ بیٹھے رہے۔ جب سانپ وہاں سے ٹل گیا تو خذری نے قریب کے ایک مکان کی طرف اشارہ کر کے کہا کیا تم اس گھر کو دیکھ رہے ہو۔ اس میں ایک نوجوان رہتا تھا جس کی ابھی شادی ہوئی تھی۔ پھر انھوں نے بتایا کہ ہم رسول اللہؐ کے ساتھ غزوہ خندق کے لئے نکلے۔ وہ نوجوان دوپہر کے وقت رسول اللہؐ سے اجازت لے کر اپنے گھر آجاتا ہے۔ ایک روز جب اس نے اجازت طلب کی تو رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اپنا ہتھیار ساتھ لیتے جاؤ۔ مجھے ڈر ہے کہ بنو قریظہ کے لوگ تم پر حملہ نہ کریں۔ تو اس نوجوان نے اپنا ہتھیار لے لیا اور گھر واپس آگیا تو اس نے دیکھا اس کی بیوی دروازے میں کھڑی ہوئی ہے تو اس نے چاہا کہ نیزہ اٹھا کر اپنی بیوی کو مارے اس لئے کہ اس کا اس طرح کھڑا ہونا غیرت کے منافی تھا۔ اس کی بیوی بولی گھر میں چل کر دیکھو کہ میرے باہر نکلنے کا کیا سبب ہے۔ وہ گھر کے اندر آیا تو دیکھتا کیا ہے کہ ایک بڑا سا سانپ زمین پر پڑا ہوا ہے۔ اس نے نیزہ اٹھا کر اس سانپ کو ضرب پہنچائی پھر گھر سے باہر لے جا کر کھنڈر میں دبا دیا۔ بس اس سانپ نے اسے کاٹ لیا۔ تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دونوں میں سے کس کی موت پہلے واقع ہوئی۔ سانپ کی یا نوجوان کی۔ خذری نے بیان کیا کہ ہم لوگوں نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی زندگی کی دعا کی درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا کہ اپنے ساتھی کی مغفرت کی دعا کرو۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ مدینہ میں کچھ جنوں نے اسلام قبول کیا ہے اگر ان سے کوئی چیز نمودار ہو تو تین دن تک کچھ نہ کہو اور اس کے بعد بھی اگر وہ نظر آئے تو اسے مار ڈالو کیونکہ وہ شیطان ہوگا۔

جن:۔ اگر وہ نوجوان سانپ کو جان سے مار ڈالتا اور اس کی موت کا یقین کر لیتا تو یہ انجام اس کا نہ ہوتا لیکن اس کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ اس واقعے میں ہمارے لئے بڑی عبرت ہے۔ اور بہرحال حدیث نبوی جنوں کے کوئی بھی شکل اختیار کرنے کی دلیل ہے۔

سائل:۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ تو اب آئیے شکل بدلنے کی دوسری حالتوں کی طرف۔ ان کے بارے میں بھی میرے پاس کئی سوالات ہیں۔ ہیں۔

جن:۔ جی ہاں ضرور پوچھئے۔ ان حالتوں میں بھی ہمیں آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔

سائل:۔ یہ بات ذرا تفصیل چاہتی ہے

جن:۔ اللہ کے حکم سے میں آپ کو ایسی دلچسپ باتیں بتاؤں گا کہ آپ کے پاس کہیں بھی لکھی ہوئی نہیں اور نہ ہی خاص الخاص لوگوں کے علاوہ کوئی ان کا علم رکھتا ہے۔

سائل:۔ جزاک اللہ جو کچھ تمہیں معلوم ہے میں جاننا چاہتا ہوں اور یہ تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ بندوں کو جو علم دیا گیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے۔

(سانپ اور نوجوان کے واقعے کے ضمن میں واضح رہے کہ النووی نے صحیح مسلم پر اپنی شرح میں المازری سے نقل کیا ہے کہ مدینۃ الرسولؐ کے سانپوں کو ہلاک نہ کیا جائے بلکہ جیسا کہ احادیث سے ظاہر ہے صرف ڈرا دھمکا دیا جائے۔ اگر اس پر بھی وہ نہ ٹلیں تب ہلاک کیا جائے۔ اس کے علاوہ دیگر جگہوں پر پائے جانے والے سانپوں کے سلسلے میں تنبیہ کی ضرورت نہیں۔) ●

بقیہ: ———— دلی کی تاریخی مساجد

ہوتی ہیں۔ مصنف نے یہ سوال بجا طور پر اٹھایا ہے کہ ہندوستان میں کوئی مندر، کوئی گرودوارہ، کوئی گرجا گھر محکمہ آثار قدیمہ کی نگرانی میں ہونے کی وجہ سے بند نہیں ہے تو یہ بدقسمتی صرف مساجد کے حصے میں کیوں آئی ہے۔ بات یہ ہے کی تعبیر و تشریح ایک الگ انداز سے کی جانے لگی اور یہ محکمہ ان عمارتوں کی نگہداشت تو کیا کرتا خود کو ان کا مصرف بدل ڈالنے کا مجاز سمجھنے لگا۔ حالانکہ مسجد موٹھ اور بھولا دت سب جج کا فیصلہ شاہد ہے کہ مرکزی حکومت کو محفوظ یادگاروں سے متعلق قانون کے تحت جو اختیارات دئے گئے ہیں وہ کہیں سے ان محفوظ عمارتوں کے روایتی مذہبی استعمال پر اثرانداز نہیں ہو سکتے۔

مقبوضہ مساجد کی بازیابی اور محکمہ آثار قدیمہ کی زیر نگرانی مساجد کو نماز کی غرض سے کھلوانے کے لئے مرکزی اور صوبائی وقف بورڈوں کی کوششوں کا بھی قاسمی صاحب نے جائزہ لیا ہے اور اس افسوسناک پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان بورڈوں کے بعض ذمہ داران کی بدعنوانیاں اور باہمی چپقلش بورڈ کو اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہونے دیتی۔

کتاب کے آغاز میں ڈاکٹر خلیق انجم نے اپنے تاثرات سے مصنف کی جو حوصلہ افزائی کی ہے وہ یقیناً اس کے مستحق ہیں۔ ساتھ ہی "نقش سنگ" کے عنوان سے حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب، سجادہ نشین خانقاہ رحمانی مونگیر، کی پرفکر شستہ اور نکھری ہوئی تحریر بھی پڑھنے کو ملی جس میں موصوف نے تاریخ اور تاریخ نویسی کے تضاد کو دلچسپ اور موثر انداز میں اجاگر کیا ہے۔

مولانا مصنف کے اس رویہ پر شکوہ سنج ہیں کہ انھوں نے کتاب میں مسجد بنگلے والی کا تذکرہ اس بناء پر شامل نہیں کیا کہ وہ تاریخی مسجد نہیں ہے۔ تبلیغی مرکز سے جو تاریخ وابستہ ہے اس کی اہمیت سے کسے بعد محکمہ آثار قدیمہ کے فرائض انکا ہو سکتا ہے۔

تزکیہ نفس اور دین سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی جو طرح وہاں پر ڈالی گئی اس کے فیوض و برکات کو تسلیم کرنے میں کسی کو شاید ہی پس و پیش ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ "کتاب دلی کی تاریخی مساجد" جس تناظر میں ترتیب دی گئی ہے وہ ہے مسلم حکمرانوں کا ذوق تعمیر اور تعمیر مساجد کا جذبہ، عہد حاضر میں ان کی زبوں حالی اور محکمہ آثار قدیمہ کا کردار۔ جہاں تک تاریخ سازی کا سوال ہے تو اس مضمون کا کوئی قاری یہ سوچ سکتا ہے کہ کیا اس ملک میں اشاعت دین کی راہ میں جو درس گاہیں، ادارے، تنظیمیں اور تحریکیں کام کر رہی ہیں وہ مسجد بنگلے والی سے اٹھنے والی تحریک کے آگے ہیچ ہیں اور ان سے اگر کچھ حاصل ہوا ہے تو صرف گمراہی۔ ●

بقیہ: الجنین

مس ہونے کو تیار نہیں۔

آپ نے حالات کو مزید بگاڑ سے بچانے کے لئے یہ بہت اچھا کیا کہ الگ مکان بنوا کر اپنی بیوی اور بچے کو اس میں منتقل کر دیا۔ رہ گیا والدین کے لئے اخراجات وغیرہ کا معاملہ تو وہ آپ دے ہی رہے ہیں۔ اس سب کا اگر وہ غلط مطلب نکال رہے ہیں تو اس کا سبب وہی ذہنی سطح ہے جس کا ذکر پہلے سوال کے جواب میں ہو چکا ہے۔ یہاں بہت صاف بات یہ ہے کہ آپ کے بیوی اور بچے کی ذمہ داری آپ پر ہے نہ کہ آپ کے والدین پر۔ اگر انہیں اس گھر میں رہتے ہوئے کوئی خطرہ لاحق ہوتا ہے تو اس سے انہیں بچانا آپ کا فرض ہے۔ اس معاملے میں آپ کے والدین نے جو رویہ اپنایا ہے وہ ناانصافی، حسد لاعلمی اور کم علمی پر مبنی ہے اور خرابی کی طرف لے جانے والا ہے۔ ایسے سلوک کی گنجائش نہ تو کسی قانون میں ہے اور نہ ہی شرع میں۔ ●

اسلحہ کی چہار طرفہ اسمگلنگ یا ہندو

پاکستان، افغانستان سرحد پر واقع درا کا بازار غیر قانونی اسلحے کے تاجروں کے لئے جنت سے کم نہیں ہے۔ یہاں اے کے ۴۷ اور ۵۶ کی تو بات ہی کیا۔ طیارہ شکن MAT 81۔ بندوق روسی ساخت کی اسنائپر رائفل 7.62 بور پیکا مشین گن، راکٹ، دستی بم، 22mm اسپینی پستول اور 7.65 جرمن مازر اور ڈٹونیٹر، سب کچھ بیچا اور خریدا جاتا ہے۔ وادیٔ کشمیر میں ہندوستانی فوج نے جنگجوؤں کے اڈوں پر گذشتہ پانچ برسوں میں چھاپے مار مار کر جو اسلحے ضبط کیے ہیں ان سے اچھا خاصا میوزیم سا بن گیا ہے تاہم یہ ذخیرہ ضبط شدہ منتخب اسلحوں کا ایک حصہ ہی ہے۔ ورنہ یہ تو اتنا اسلحہ ہے کہ کسی حفاظتی فوج کی چوبیس بٹالینوں کو لیس کرنے کے لئے کافی ہو۔ اس کے علاوہ دس ہزار کلو گرام بارود بھی ضبط کیا گیا ہے جو تمام ڈیموں کے اڑانے کے لئے کافی ہے اور جس میں آر ڈی ایکس بھی شامل ہے۔ صرف ۱۹۹۵ کے دوران ۱۶۸۹ کلو بارود، ۲۳۳۶ اے کے ۴۶ رائفلیں، ۳،۴۳۶ دستی بم، ۵۸۶ ریموٹ کنٹرولڈ بارود ترکیبیں اور ۱۰۰ راکٹ لانچرز ضبط کئے گئے۔

پیر پنچال پہاڑی سلسلے سے لگی ہوئی ۸۰۰ کلو میٹر لمبی لائن آف ایکچول کنٹرول پر ہونے والے اسلحہ کی زور دار اسمگلنگ پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ فوج کے تعینات کر دینے کے باوجود کسی طرح کم ہونے میں نہیں آ رہی ہے۔ دہشت گرد ٹھکانوں سے جتنے ہتھیار ضبط کئے جاتے ہیں اس سے زیادہ کا شاید پھر ان کے پاس اکٹھا ہو جاتا ہے۔ کشمیر میں تمام بڑی جنگ جو تنظیموں کے پاس اپنے ذاتی اسلحہ خانے ہیں چاہے وہ حزب المجاہدین ہو یا تحریک المجاہدین، لشکر طیبہ ہو یا حرکت الانصار، سبھی پاکستان نواز ہیں اور گرفتار شدہ جنگجوؤں کی تفتیش پر مبنی انٹلی جنس رپورٹ کے مطابق جموں و کشمیر میں سرگرم ہر جنگ جو گروہ کا ایک نمائندہ پاک مقبوضہ کشمیر میں موجود رہتا ہے جو اسلحہ کی فراہمی کے لئے انٹر سروس انٹلی جنس سے رابطہ قائم کیے رہتا ہے۔ یہ اسلحے بارہ مولہ، کپواڑہ سیکٹر کے راستے کشمیر میں لائے جاتے ہیں۔ ایل اے سی کے قریب رہائش پذیر گجر اور بکروال قبیلے اس کام میں ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ انہیں اسلحہ برداری اور رہنمائی کی اجرت ایک پھیرے میں پانچ ہزار سے دس ہزار روپے تک مل جاتی ہے۔ اسلحوں کا پارسل گوجروں کے گھر یا گھنے جنگل میں اترتا ہے اور مختلف ذرائع سے تقسیم ہونا شروع ہوتا ہے کشمیر میں ایک کلاشنکوف پچیس سے چالیس ہزار روپے تک میں فروخت ہوتی ہے۔ تاہم انٹلی جنس رپورٹوں کے مطابق تمام پاکستان نواز گروہوں کے ہر طرح کے اسلحے مفت پہنچتے ہیں۔

حال ہی میں، جموں بھی اسلحے کی اسمگلنگ کا ٹھکانہ بن گیا ہے کیونکہ راجستھان اور پنجاب دونوں صوبوں میں پاکستان کی سرحد کی حد بندی کی غرض سے خار دار تار کی باڑھ کھڑی کر دی گئی ہے۔ نتیجتاً جموں سے لگی ہوئی سرحد پر اسمگل شدہ ہتھیار، منشیات اور سونا جیسے ابلے پڑ رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جموں کی ۱۸۹ لمبی سرحد

بہار میں اسلحوں کے ساتھ اسمگلر اور پولیس

پر حفاظتی انتظامات ناقص ہیں اور گذشتہ سال شروع کیا گیا باڑھ بندی کا کام بھی یوں رک گیا کہ سرحد پار سے مزدوروں پر برابر فائرنگ ہوتی رہتی تھی۔ اس باڑھ بندی کی مخالفت پاکستان کی طرف سے یہ کہہ کر ہوتی رہی ہے کہ جموں بین الاقوامی سرحد نہیں ہے۔ جس کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ اسلحے کی اسمگلنگ کا ایک اہم راستہ بند نہ ہونے پائے۔

پنجاب میں ۵۱۴ کلو میٹر لمبی بل کھاتی ہوئی ہند۔ پاک سرحد پر سات فٹ اونچی باڑھ لگی ہوئی ہے لیکن دریاؤں کے بہاؤ والی مجموعی طور پر انچاس کلو میٹر کی مسافت ایسی ہے جہاں یہ انتظام نہیں ہے تاہم اسے ایسی ہندوستانی بین الاقوامی سرحد کہا جا سکتا ہے جس پر حفاظتی انتظامات خاصے اطمینان بخش ہیں۔ اس کے باوجود بی ایس ایف کے آئی جی (پنجاب) کا کہنا ہے کہ یہ سرحد محافظین کے لئے پرسکون نہیں ہے کیونکہ اسلحہ اور منشیات فروش دریاؤں کے پاس کے کھلے ہوئے حصے کا فائدہ اٹھا ہی لیتے ہیں۔ پنجاب کی سرحد بعض حالات میں خاصی مخدوش ہو جاتی ہے جب وہاں لگی ہوئی تاروں کی باڑھ ٹوٹ جائے یا اسے کوئی نقصان پہنچے جیسا کہ ایک بار سیلاب میں، ۱۷ کلو میٹر تک کی باڑھ بہہ گئی تھی کیونکہ پاکستان کئی سال سے راوی اور ستلج کے پانی کا رخ ہندوستان کی طرف کر رہا ہے۔ پنجاب کے دہشت گردوں کی توجہ اب رائفل اور دیگر ہتھیاروں پر کم اور آر ڈی ایکس جمع کرنے پر زیادہ ہے۔ بے انت سنگھ کے قتل کی ذمہ داری قبول کرنے والے ببر خالصہ گروہ نے اکیلے ۱۵۰ کلو آر ڈی ایکس اسمگل کیا۔ پنجاب پولیس کی اطلاع کے مطابق ۱۹۹۵ کے سال کے دوران صوبے میں انٹرنیشنل سکھ یوتھ فیڈریشن، ببر خالصہ اور خالصتان کمانڈو نے مجموعی طور پر پانچ کوئنٹل آر ڈی ایکس اسمگل کی۔ اپنی افرادی اور بارودی قوت کو بڑھانے کے لئے سرحدی علاقوں میں سرگرم منشیات فروشوں کی مدد بھی حاصل کر رہے ہیں۔ ببر خالصہ گروہ کے گرفتار شدہ دہشت گرد جگتار سنگھ ہوارا کے بیان کے مطابق اسلحے اور دہشت گرد کبھی ساتھ ساتھ نہیں چلتے بلکہ سرحد کے قریب کسی طے شدہ مقام پر پہنچا دیئے جاتے ہیں جہاں سے اسلحہ فروش اور دہشت گرد ٹیلی فون کی اطلاع پا کر اپنا اپنا حصہ اٹھا لیتے ہیں۔ مواصلاتی ذرائع کی ترقی سے اس دھندے میں بھی بڑی آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اس خوف سے کہ کہیں ٹیلی فون پر ان کی گفتگو سے راز فاش نہ ہو جائے پاکستان پہنچنے والا پیغام پہلے رمز و کنایہ کی زبان میں ماسکو میں کسی آشنا کو دیا جاتا ہے۔ مثلاً بظاہر عام بات چیت میں "بوا

آج ہندوستان تقریباً پوری دنیا سے ہتھیا

اگر آپ سمجھتے ہیں کہ پرولیا میں اسلحہ باری کا واقعہ ملک کے امن کے لئے شدید خطرے کی علامت ہے تو بعض ایسے حقائق کو بھی ذہن نشین رکھنا پڑے گا جو بلاشبہ یکساں طور پر سنگین ہیں مثلاً یہ کہ ۳۱ دسمبر ۱۹۹۵ کو مالا پورم، کیرالہ میں کوالندی ندی میں ۸۰ عدد پائپ نما بم مچھیروں کے ہاتھ لگے۔ کیرالہ کی پولیس کو اس واقعے نے ہلا کر رکھ دیا اور مختلف مقامات پر چھاپے مارے گئے تو غیر قانونی طور پر ذخیرہ شدہ گیارہ سو کلو گن پاوڈر برآمد ہوا۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۹۵ کو امبالا میں پرولیا اسلحہ باری واقعے کے دو ہی روز پہلے ایک ٹریکٹر میں سولہ کلو آر ڈی ایکس لے جاتے ہوئے دہشت گردوں کو پکڑا گیا اور اس طرح بارودی دھماکے کے ذریعے ہریانہ کے وزیر اعلیٰ بھجن لال کی زندگی کے خاتمے کا منصوبہ ناکام بنا دیا گیا۔ یکم دسمبر ۱۹۹۵ کو بارڈر سیکورٹی فورس نے اتر پردیش میں مذہبی انتہا پسندوں کو اسلحہ اسمگل کرنے والے دو پاکستانی شہریوں کا تعاقب کر کے ان کی تحویل سے اے کے طرز کی ۱۵ عدد رائفلیں، دو ہلکی مشین گنیں، ۱۸ پستول، ایک بم اور، رائفل برآمد کی۔ ۳۰ نومبر ۱۹۹۵ کو مخبروں کی اطلاع پر حرکت میں آئی ہوئی گجرات پولیس نے اجین میں ایک کنویں سے ۲۴ عدد اے کے۔ ۵۶ رائفلیں برآمد کیں۔ غرضیکہ منشیات کے دھوکے سے کمائی دولت کے خریدے گئے اسلحے پورے ملک میں باغیانہ عناصر کے پاس پہنچتے جا رہے ہیں۔ پرولیا سے برآمد شدہ اسلحوں کی مجموعی مقدار اس مقدار سے بہت کم ہے جس کا ریلا ہر دوسرے ہفتے طے شدہ راستوں سے ملک کے اندر آ جاتا ہے۔

۱۹۹۰ میں، جموں و کشمیر میں عام بغاوت شروع ہونے سے اب تک فوج اور نیم فوجی دستوں نے ۱۵۰۰ سے زائد اے کے طرز کی رائفلیں، ۲۴۰ لاکھ کارتوس اور تقریباً دس ہزار بارود اپنے قبضے میں لیا ہے۔ یہ مقدار پورے جموں و کشمیر کو راکھ کا ڈھیر بنا دینے کے لئے کافی ہے۔ پنجاب اور ہریانہ پولیس نے مختلف مقامات پر چھاپوں میں ۲۵۰ کلو آر ڈی ایکس برآمد کی۔ اتنی بڑی مقدار میں آر ڈی ایکس کا ہوتا کیا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جو انسانی بم وزیر اعلیٰ بے انت سنگھ کی موت کا سبب بنا اس پر صرف آٹھ کلو آر ڈی ایکس لپٹی ہوئی تھی۔ ان صوبوں میں ی انٹلی جنس ذرائع کا کہنا ہے کہ آر ڈی ایکس کی برآمد شدہ مقدار اس مقدار کی محض ایک تہائی ہے جو واقعتاً اس وقت سرکولیشن میں ہے۔

بین الاقوامی ماہرین اسلحہ کے خیال میں ہندوستان کا شمار دفاعی اسطلاح میں "نان میجر ویپنس سسٹم" سے موسوم غیر قانونی اسلحوں کی تقسیم سے سب سے زیادہ متاثر ہونے والے ممالک میں ہوتا ہے۔ غور کرنے پر معلوم ہو گا کہ یہ اصطلاح خاصی گمراہ کن ہے کیونکہ اس میں اگر کسی چیز کی کمی ہے تو صرف ٹینک اور بھاری مشین گنوں کی ورنہ اس سسٹم میں مشین گن

فوج برآمد شدہ اسلحوں کی نمائش کر رہی ہے۔

اس شمارے کی قیمت پانچ روپے

سالانہ چندہ ایک سو روپے / چالیس امریکی ڈالر

یکے از مطبوعات

مسلم میڈیا ٹرسٹ

پرنٹر پبلیشر، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے

تیج پریس بہادر شاہ ظفر مارگ سے چھپوا کر

دفتر ملی ٹائمز انٹرنیشنل

49، ابوالفضل انکلیو

جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025 سے شائع کیا

فون نمبر 6827018 ۔ 6926030

سری نگر بذریعہ ہوائی جہاز ساڑھے پانچ روپے

ستان کی سالمیت پر قاتلانہ یورش

ھیاروں کی اسمگلنگ کا اڈہ بن گیا ہے

اس وقت
خیال میں

سے راکٹ لانچر اور طیارہ شکن بندوق اور بارود تک کیا کچھ نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ اس نان میجر ویپنس سسٹم کی بدولت کوئی دہشت گرد گروہ

کسی حکومت سے ٹکر لے سکتا ہے۔ ان میں سے زیادہ تر اسلحے وہ ہیں جو امریکہ سے افغانستان میں براستہ پاکستان سوویتی قبضے کے خلاف استعمال کے لئے بھیجے گئے تھے۔ ۱۹۸۰ میں افغانستان کی جنگ کے خاتمے کے ساتھ پاکستان کی آئی ایس آئی نے ان اسلحوں کی بڑی مقدار کو پار کرکے پنجاب اور کشمیر کے دہشت گردوں کو سپلائی

میں "نان میجر
نونی اسلحوں کی
ہونے والے
معلوم ہوگا کہ
نکہ اس میں اگر
ک اور بھاری
میں مشین گن

کرنا شروع کردیا۔ دریں اثنا، یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ برما کے راستے ہندوستان کے شمال مشرقی صوبوں کو اسلحے مہیا کررہا ہے۔ ادھر جنوب میں ایل ٹی ٹی ای تمل ناڈو میں ساحلی سرحد کے راستے اسلحے کی بھرمار میں لگی ہوئی ہے۔ حال ہی میں مشرقی یوروپ کی اسلحہ سازی کی صلاحیت میں بے پناہ وسعت کے نتیجے میں اے۔کے ۵۶ رائفل جیسے اسلحوں کی قیمت میں تین ہزار روپے تک کی کمی آگئی ہے۔ تاہم ۱۹۹۰ کی دہائی میں ملک میں غیر قانونی اسلحے اور طرح طرح کے گولے بارود کی تجارت میں ڈرامائی تبدیلی آئی ہے۔ اب دہشت گردی سے متاثر ترین صوبوں یعنی پنجاب اور کشمیر میں اے کے ۴۷ کی طرف نہیں بلکہ آر ڈی ایکس کی طرف زیادہ رجحان پایا جاتا ہے۔ کشمیری جنگ جوؤں نے جنہیں پاکستان کی حمایت حاصل ہے ۱۹۹۵ کو "بارود کا سال" کا نام دیا تھا۔ پنجاب کے دہشت گرد جن کی صفیں کے پی ایس گل کی یورشوں سے منتشر ہوگئی تھیں پھر سے مجتمع ہوگئے۔ بے انت سنگھ قتل کیس کے نمایاں ملزم ببر خالصہ گروہ کے نامی دہشت گرد نے جسے دسمبر کے اواخر میں گرفتار کیا گیا، بتایا کہ ہمیں کم سے کم نقصان اٹھا کر زیادہ سے زیادہ دہشت پھیلنے کی ہدایت دی جاتی ہے۔

جو چیز سیکورٹی فورسز کے لئے سب سے زیادہ تشویش ناک ہے وہ اسمگل کیے ہوئے ہتھیاروں اور بارودی ترکیبوں کی حیرت انگیز طور پر موثر کارکردگی ہے۔ پنجاب اور کشمیر کے دہشت گرد پہلے ریڈیو کنٹرولڈ بارودی ترکیبیں وضع کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ ان صوبوں میں "روشنی پر منحصر ریزسٹر سوئچوں" کا پایا جانا دہشت گردوں کی ساؤنڈ سنسر اور لائٹ سنسر ترکیبوں میں مہارت کا کھلا ثبوت ہے جس کی مدد سے وہ جب اور جہاں چاہیں کسی بارودی ترکیب میں دھماکہ کرسکتے ہیں۔

اس صورت حال سے بعض حد درجہ خطرناک تبدیلیاں سامنے آئی ہیں۔ برصغیر میں ہلکے ہتھیاروں کی دستیابی اور استعمال دونوں میں بہت اضافہ ہوگیا ہے۔ نسلی تصادمات، سرحدی و علاقائی تنازعے اور یہاں تک کہ زمیندارانہ جھگڑے بھی کلاشنکوف کی مدد سے نمٹائے جاتے ہیں۔ بہار میں جرائم پیشہ گروہ اور سماج دشمن عناصر اسالٹ رائفلوں سے مسلح رہتے ہیں اور ایک ہی ہلے میں خون خرابہ کردیتے ہیں۔ حیدرآباد اور مدھیہ پردیش میں نکسلائٹ گروہ ایل ٹی ٹی ای سے مبنیہ طور پر ہتھیار خرید کر خود کو مسلح کررہے ہیں۔ تمل ناڈو، کیرالہ، بہار اور اترپردیش جیسے صوبوں میں بھی انتہا پسند گروہ اسلحہ جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں ملک کے اندرونی حصوں میں اسلحہ کی یہ بھرمار یقینا ششدر کردینے والی ہے۔

اس مسئلہ کا ایک اور سنگین پہلو یہ ہے کہ منشیات کا دھندہ کرنے والوں اور اسلحے کے اسمگلروں کے درمیان تال میل بڑھ رہا ہے۔ کسی دہشت گرد تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے درکار رقم ایسے ہی لوگ فراہم کرسکتے ہیں جن کے پاس اندھا دھند دولت آرہی ہو اور اس کا واحد ذریعہ منشیات کی اسمگلنگ ہی ہے۔ گذشتہ سال ایسے پانچ واقعات کا پتہ چلا جن میں بارڈر سیکورٹی فورس نے ہلکے اسلحے اور منشیات کے پیکٹ ساتھ ساتھ پکڑے۔ انٹلی جنس ایجنسیوں کا خیال ہے کہ دہشت گردوں کو منشیات اور اسلحے کی سپلائی آئی ایس آئی کے منصوبے کا ایک اہم حصہ تھا تاکہ ہندوستان میں علیحدگی پسندی کی تحریک کو خود کفیل بنایا جاسکے کیونکہ دونوں ہی چیزیں مہنگے داموں فروخت ہوتی ہیں۔

جہاں تک ہندوستان میں اسمگل ہونے والے اسلحے کا تعلق ہے تو اس کا بیشتر حصہ وہی

باقی ص ۱۴ پر

کے بیان کے
ساتھ ساتھ نہیں
طے شدہ مقام پر
اسلحہ فروش اور
کر اپنا اپنا حصہ
ترقی سے اس
پیدا ہوگئی ہیں۔
پر ان کی گفتگو
پہنچنے والا پیغام
میں کسی آشنا کو
چیت میں "ہوا

آرہی ہے" کا مطلب ہوگا اسلحے آرہے ہیں۔ اسی طرح کلونے، ۴۷، چھوٹی جیکٹ، بڑی جیکٹ، آٹا، راجدھانی، پہاڑ جیسے الفاظ بالترتیب اے کے ۴۷، ریوالور، رائفل، آر ڈی ایکس، دہلی اور شملہ کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ جب پولیس نے ببر خالصہ گروہ کے دو آدمیوں کو گرفتار کیا تو دیگر افراد نے براہ ماسکو پاکستان میں اپنے آقاؤں کو یہ پیغام دیا کہ ان کے ساتھ حادثہ پیش آگیا ہے اور وہ اسپتال میں ڈاکٹروں کی نگرانی میں ہیں۔ پولیس کو اس اشاراتی زبان کے مطالب کا جس طرح علم ہوتا جاتا ہے دہشت گرد اپنے کوڈ بھی بدلتے

جاتے ہیں۔ پنجاب کے دہشت گردوں کے لئے کام کرنے والے پاکستانی شہری شاہد محی الدین نے گرفتاری کے بعد یہ انکشاف کیا کہ وہ اسمگلروں کے لئے عبوری تربیتی کیمپ بھی چلاتا تھا یہ سکھانے کے لئے کہ سرحد پر کھڑی تاروں کی باڑھ کو کیسے عبور کیا جائے یا اسلحہ لے جانے میں کوئی مشکل پیش آئے تو اسے حل کیسے کریں۔ ایک عام طریقہ ان لوگوں کا یہ ہوتا ہے کہ سبزیاں اور اناج لے جانے والے ٹریکٹروں کے درمیان خالی جگہ میں چھپا دیتے ہیں اور پکڑے جانے پر بی ایس ایف والوں کو پیسے وغیرہ دے کر

چھوٹ جانا چاہتے ہیں اور یہی سب سے بڑا چیلنج ہے جسے مدنظر رکھتے ہوئے بارڈر سیکورٹی فورس کے نئے دستے ہر صبح و شام تعینات کرنے پڑتے ہیں۔

شمال مشرقی علاقے

اے۔کے ۵۶

لے لئے پشاور یا کابل کیوں جائیے۔ گوہاٹی میں کیا ہتھیاروں کی کمی ہے۔ یہاں چالیس سال پہلے تک کوئی شورش نہیں تھی۔ نسلی تعصب کے ہاتھوں بھڑکائے ہوئے جذبہ انتقام نے ہر فریق کو اسلحے کی ضرورت کا احساس دلایا اور اسلحہ فروشوں کے وارے نیارے ہوگئے۔ الفا کے ہتھیار ڈالنے والے ممبر اور انٹلی جینس رپورٹوں کے مطابق ابھی تک کچن انڈپنڈنس آرمی (کے آئی اے) باغیوں کو اسلحہ فراہم کرتی تھی اور اب اس نے اپنا مرکز چٹا گانگ کو بنالیا ہے جہاں سے وہ اپنا کام زیادہ آسانی سے کرسکتی ہے۔ دوماہ قبل میگھالیہ میں گارو ہل کے تورا گاؤں میں پنسل نما بھیانک ٹائم بموں کا ذخیرہ پولیس کے ہاتھ لگا۔ اس کے علاوہ ریموٹ کنٹرول ترکیبیں، فری کوئنسی سیٹ، ڈے اینڈ نائٹ

انتہا پسند تنظیم کی خواتین ونگ کی پریڈ

سوئچز، ڈٹونیٹنگ کارڈ اور واکی ٹاکی سیٹ بھی تھے جو پولیس کے زیر استعمال موجودہ سیٹوں کے مقابلے میں دو نسل آگے تھے۔ کاربی ہیلز فورس کے نمائندے جو طے شدہ پروگرام کے مطابق اس پورے سامان کو لینے آئے تھے انہیں حراست میں لے لیا گیا۔

تورا گاؤں کا وقعہ ایک مثال ہے کہ شمال مشرقی علاقہ کس حد تک عدم استحکام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ لوگوں میں جدید تر اسلحوں تک رسائی کی خواہش میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے ابھی دسمبر میں درانگ پولیس اسٹیشن پر حملے میں دہشت گردی کی تاریخ میں پہلی بار راکٹ پروپڈ گرینیڈ کا استعمال ہوا اور پڑوسی ملکوں میں ان راکٹوں کے استعمال کی تربیت کے کیمپوں کی موجودگی نے صورت حال کو مزید سنگین بنادیا ہے۔ آئے دن بدلتی ہوئی سیاست کی بناء پر کوئی پائدار حفاظتی پالیسی بھی وضع نہیں کی جاسکتی۔ الفا ٹھکانوں پر لگاتار تین فوجی حملوں کے بعد الفا کی سرگرمیاں ہلکی پڑگئیں لیکن حال ہی میں پتہ چلا ہے کہ الفا کے ممبران اسلحہ جمع کرنے میں زور و شور سے لگے ہوئے ہیں اور اس گروہ کا سو کروڑ روپیہ اس کام کے لئے رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ نیشنل سوشلسٹ کونسل آف ناگالینڈ شمال مشرقی علاقے میں باغی گروہ کی سرپرستی کررہی ہے اور دونوں کے درمیان یہ تعاون حفاظتی فوج سامنے ایک نئی مشکل کھڑی کرے گا۔ ناگاؤں کے قریب جنوری میں ہوئے حملے کے مقام پر اے۔کے ۴۷، کاربائن اور سیکڑوں خالی کارتوسوں کا پایا جانا اسی خطرناک صورت حال کی طرف اشارہ ہے۔

بہار

نیپال کی سرحد پر واقع کرشنا نگر میں خاردار تاروں کی باڑھ سے اگرچہ سرحد کا گمان ہوتا ہے لیکن ہے یہ اسمگلروں کی جنت۔ الکٹرونک سامانوں کا مرکز تو یہ تھا ہی اب ہر طرح کے اسلحے بھی افراط سے ملتے ہیں جس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ پچھلے دنوں پٹنہ کے قریب مذورن میں دو گروہوں میں تصادم کے دوران جدید طرز کی فوج کے استعمال میں آنے والی اے کے ۴۷ اور ۵۶ اور ایس ایل آر کا کھل کر استعمال ہوا۔ اٹھارہ سو کیلومیٹر لمبی سرحد پر صرف اٹھارہ چیک پوسٹ ہیں۔ ایک اندازہ کے مطابق بہار میں اس وقت غیر قانونی اسلحوں کی تعداد ایک کروڑ سے زائد ہے۔ پولیس ذرائع کا کہنا ہے کہ رنگ داری ٹیکس کی وصولی اور پھروتی کے لالچ میں اغوا کی وارداتوں میں ملوث سیاسی جوڑ توڑ رکھنے والے سماج دشمن عناصر ان جدید ترین ہتھیاروں کی طرف تیزی سے بھکتے ہیں۔ ناجائز اسلحوں کی تعداد میں انتخابات کے دوران مزید اضافے کا امکان ہے۔ اس سلسلے میں نیپال کو بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ نسبتا محفوظ ہند پاک سرحد کے راستے سے ہتھیار حاصل کرنا انہیں نیپال سے بہار میں منتقل کرنا زیادہ آسان ہے۔ سرحد کے دونوں جانب ایسے طاقتور عناصر موجود رہتے ہیں جن کے روابط سیاستدانوں سے ہیں۔ نیپال پولیس نے حال ہی میں برٹ نگر میں ایک اسلحہ فروش کو گرفتار کیا تھا جس کے تعلقات بہار کے ایک بارسوخ سیاستداں سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جنتا دل کے لیڈروں نے نیپالی کانگریس کے ممبران سے

باقی ص ۱۵ پر

شام اور اسرائیل میں اب معاہدہ نہ ہوا تو کبھی نہیں ہو گا

عام انتخابات کے پیش نظر کلنٹن اور پیریز کسی بھی طرح معاہدہ کے حق میں

میری لینڈ میں شام۔ اسرائیل مذاکرات کا ایک اور دور ختم ہو گیا۔ اس گفتگو کے خاتمے کے بعد شام کی طرف سے یہ بیان جاری کیا گیا کہ اسرائیل کے مطالبات پورا کرنا ناممکن ہے۔ لیکن اسرائیلی وزیر اعظم کا کہنا تھا کہ سنجیدہ نوعیت کی "پروگریس" ہوئی ہے۔ لیکن ایک دوسرے اسرائیلی وزیر نے آگاہ کیا ہے کہ اگر امسال امن معاہدہ نہیں ہوتا تو پھر کبھی نہیں ہو گا۔ مذاکرات کے بعد وین کرسٹافر نے دمشق

> بلاشبہ حافظ اسد ایک مضبوط لیڈر ہیں۔ اور شاہ حسین اور یاسر عرفات کی طرح کمزور بن کر کوئی معاہدہ نہیں کریں گے۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ ایک عملی انسان بھی ہیں۔ اگر امن معاہدہ ہوتا ہے تو وہ ہر قیمت پر بہتر سے بہتر کی تمنا کریں گے۔

کا دورہ کیا۔ یہ ان کا اس شہر کا سولہواں دورہ تھا۔ ان سے قبل سابق وزیر خارجہ جیمس بیکر بھی کئی بار دمشق جا چکے تھے۔ دورے کے بعد کرسٹافر نے بس اتنا کہا کہ وہ پر امید ہیں۔

مذاکرات میں اس وقت گولان کی پہاڑی سے متعلق کوئی خاص مشکل نہیں ہے۔ اسرائیل تسلیم کرتا ہے کہ اسے امن کے لئے پورے طور پر شام کے حوالے کرنا ہو گا۔ لیکن وہ اس کے ساتھ یہ بھی چاہتا ہے کہ شام اس پر اپنی فوج تعینات نہ کرے کیونکہ ان کے بقول اسرائیلی اب بھی ۱۹۶۷ میں اپنے علاقے پر شامی بمباری کو یاد کرتے ہیں اور بیچارے عرب تو گویا یادداشت رکھتے ہی نہیں۔ انہیں ماضی میں اسرائیل کے ہاتھوں جو ہزیمت اٹھانی پڑی ہے وہ انہیں یاد نہیں آتی۔ اس کے ساتھ اسرائیل یہ مطالبہ بھی کرتا ہے کہ اس کی تھوڑی بہت فوج شامی فوج کی نقل و حرکت کے معائنے کے لئے گولان پر تعینات رہے گی۔ اسی مطالبے نے شامیوں کو ناراض کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے۔

دراصل اسرائیل اور امریکہ دونوں کو امسال عام انتخابات کا سامنا ہے۔ بل کلنٹن اور شمعون پیریز دونوں چاہتے ہیں کہ شام کے ساتھ امن معاہدہ ضرور ہو جائے تاکہ وہ اسے اپنے عوام کے سامنے ایک کامیابی کے طور پر پیش کر کے ان کا ووٹ حاصل کر کے اقتدار میں قائم رہیں۔ اس مقصد کے لئے دونوں ہی ممالک شام پر زور دے رہے ہیں کہ وہ جلد از جلد امن معاہدہ پر دستخط کر دے۔ مگر شام کی اپنی مجبوریاں ہیں۔

بلاشبہ حافظ اسد ایک مضبوط لیڈر ہیں۔ اور شاہ حسین اور یاسر عرفات کی طرح کمزور بن کر کوئی معاہدہ نہیں کریں گے۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ ایک عملی انسان بھی ہیں۔ اگر امن معاہدہ ہوتا ہے تو وہ ہر قیمت پر بہتر سے بہتر کی تمنا کریں گے۔ یہ تو ممکن ہے کہ وہ اسرائیل کی سیکورٹی کا لحاظ کرتے ہوئے گولان کی پہاڑی پر بھاری ہتھیاروں کے ساتھ اپنی فوج کے بجائے صرف سرحدی محافظ ہی تعینات کریں لیکن وہ اس کی اجازت ہرگز نہ دیں گے کہ بعض جگہوں پر اسرائیلی فوج بھی شامی فوج کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے موجود رہے۔ اس ضمن میں شامی پریس جس پر سرکاری کنٹرول بہت سخت ہے پہلے ہی یہ لکھنے لگا ہے کہ اسرائیل کی دفاعی ضروریات کو

• اسرائیلی فوج نمازیوں کا محاصرہ کئے ہوئے۔ کیا معاہدہ ہو جائے گا

کسی بھی امن معاہدے میں مدنظر رکھا جائے گا۔ اس کا مطلب مبصرین کے نزدیک یہی ہے کہ شام گولان کی واپسی کے بعد اس پر بھاری ہتھیاروں کے ساتھ اپنی فوج نہیں بھیجے گا۔

لیکن حافظ اسد کے لئے مشکل یہ ہے کہ وہ شمعون پیریز کے برعکس صرف ایسا معاہدہ چاہتے ہیں جو صرف کاغذ پر ہو اور جس کے مطابق کسی سنسان جگہ پر دمشق میں اسرائیل کا سفارت خانہ قائم ہو جائے۔ شمعون پیریز چاہتے ہیں کہ دونوں ملکوں کے عوام کے درمیان آمد و رفت پر کوئی پابندی نہ ہو۔ اور اپنی اس فکر کے تحت چاہتے ہیں کہ شام اور اسرائیل اپنی سرحدیں ایک دوسرے کے لئے کھول دیں۔

لیکن ایسا کوئی بھی معاہدہ حافظ اسد کی ساکھ کو اندرون ملک متاثر کرے گا۔ شام کے لیڈر اور عوام دونوں ہی اسرائیل سے گرمجوشی والا تعلق قائم کرنے کے لئے ابھی تیار نہیں ہیں۔ شام کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں طلبہ کی مغرب کے مطابق باقاعدہ اسرائیل سے نفرت کی ہمت افزائی کی جاتی ہے۔ حالانکہ سچائی یہ ہے کہ ماضی کی تلخ یادوں نے شامیوں کو نہیں بلکہ تمام عربوں کو اسرائیل سے کافی متنفر کر دیا ہے۔ ایسے ماحول میں شمعون پیریز کا کھلی سرحدوں والا مغربی ایشیا کا خواب ابھی شرمندہ تعبیر ہونے سے رہا۔ پہلے ہی وہ اسرائیلی جو مصر اور اردن کی سیر کے لئے جاتے ہیں وہ وہاں کے عوام کی سرد مہری کی شکایت کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ لوگ اسرائیل کے سفر پر نہیں آتے۔ گذشتہ دنوں بی بی سی نے ایک پروگرام میں ایک شامی دانشور اور ایک اسرائیلی دانشور کی دو بدو گفتگو کو نشر کیا تھا تو شام نے اس پر سخت تنقید کی تھی۔ ایسے ماحول میں اسرائیلیوں کا ثقافتی و معاشی تعاون اور کھلی سرحدوں والی بات پر اصرار بالکل غیر مناسب ہے۔ ممکن ہے شام اور اسرائیل کے درمیان امسال کوئی معاہدہ ہو جائے لیکن دونوں ملکوں کے عوام کے درمیان گرمجوشی اگر کبھی پیدا بھی ہوئی تو بہت بعد میں پیدا ہو گی۔

بقیہ: ——— ٹھاکرے کا آپریشن

تقریر کون کرے گا اور رائے دہندگان کو شیو سینا کی طرف ہانک کر کون لائے گا۔ شیو سینا کو کون جتوائے گا۔

شیو سینا کو ٹھاکرے کی غیر موجودگی کا ایک اور نقصان ہو گا۔ بی جے پی حکومت میں اس کی پارٹنر ہے۔ بی جے پی سے سیٹوں پر تال میل شیو سینا کو کرنا ہے۔ دونوں میں نشستوں کی تقسیم ہونی ہے۔ بال ٹھاکرے جس ہوشیاری اور چابک دستی سے بی جے پی سے سیٹیں لیتے رہے ہیں شیو سینا ان کی غیر موجودگی میں ویسا کامیاب سودا نہیں کر پائے گی۔ اس سے بی جے پی کو فائدہ ہو گا اور بی جے پی زیادہ سے زیادہ سیٹیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ ٹھاکرے نے اسمبلی انتخابات میں بی جے پی سے سودمند سودہ کر کے ۱۷۱ سیٹیں چھڑوالی تھیں۔ ۱۱۷ بی جے پی کے لئے رکھی گئیں تھیں۔ اس وقت یہ طے ہوا تھا کہ پارلیمانی انتخابات میں بی جے پی کو زیادہ سیٹیں یعنی ۴۸ دے دی جائیں گی۔ لیکن حکومت چلانے کے بعد شیو سینا کے حالات بدل گئے ہیں اب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بی جے پی سے کہے کہ اب اس سے کم سیٹیں لے لو۔ اس پر تنازعہ اٹھے گا اور اگر وہ حل نہ ہو سکا تو دونوں کی راہیں الگ بھی ہو سکتی ہیں۔

لیکن فی الحال بی جے پی کو یہ خوشی ہے کہ ٹھاکرے کی غیر موجودگی میں وہ شیو سینا سے اچھا سودہ کر سکتی ہے۔ گویا ٹھاکرے کے آپریشن سے شیو سینا کو نقصان اور بی جے پی کو فائدہ اور آرام پہنچ رہا ہے۔ ڈاکٹر جو کہ ٹھاکرے کی بہتری کے لئے انہیں نیک مشورے دے رہے ہیں، انہیں کیا پتہ کہ ان کے نیک مشورے "بد مشورے" بنتے جا رہے ہیں اور ان کا خلوص نقصان دہ ہو رہا ہے۔ واقعی سیاست کی باتیں بڑی عجیب و غریب ہوتی ہیں۔

•

بقیہ: مسلمان جائیں گے کہاں

اور دفتری احاطوں میں "رام مندر" کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا تو زبردستی چندے وصول کئے جاتے رہے۔ ان تمام مسلم دشمن وحشتوں اور فرقہ پرستانہ سرگرمیوں کا نتیجہ دسمبر ۱۹۹۲ میں بابری مسجد کی شہادت کے المیہ کے طور پر سامنے آیا جس کی آندھی نے کچھ بڑے بڑے درختوں کو اکھاڑ پھینکا تو ان کی جگہ کچھ نئے تنکوں نے جڑ پکڑ لی۔ پودے بنے اور اب تناور درخت بن جانے میں مشغول ہیں۔

بیسویں صدی کا آخری پارلیمانی چناؤ جیسے جیسے قریب آتا جاتا ہے، تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ روٹی روزی حاصل کرنے کی فکر بڑھتی جاتی ہے۔ سیاسی بازیگروں کی چالیں تیز ہوتی جارہی ہیں۔ فرقہ کا حق، فرقہ کا حصہ طلب کرنے کی جگہ "برادری کا حصہ" مانگا جارہا ہے۔ فرقہ کی جان مال، عزت و آبرو فروخت کر کے، اپنی اپنی اوقات کے مطابق سب اپنا اپنا الو سیدھا کرنے میں لگے ہیں۔ بھاجپا کا نقطہ نظر تو صاف ہے، دیگر سیاسی جماعتوں سے یہ کون پوچھے گا کہ بابری مسجد اور اسکی شہادت کے سلسلہ میں ان کا موقف کیا ہے؟ دیکھئے انتخابی اعلانیے کیا کہتے ہیں؟

•

بقیہ: روس کو خوف....

سابق کمیونسٹ جنگ بند کر کے اسلام پسندوں کے ساتھ مل کر حکومت کریں۔

تاجکستان میں کمیونسٹوں یا سابق کمیونسٹوں کی حکومت کے سامنے صرف جنگ ہی ایک مسئلہ نہیں ہے بلکہ حکومت کے بڑے افسران کرپشن میں مبتلا ہیں۔ بریڈ کی ملک میں سخت کمی ہے۔ اسلئے کہ باہر سے جو گیہوں آتا ہے وہ غلط ہاتھوں میں چلا جاتا ہے جو اسے بھاری قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔ ایسے عناصر اچانک بہت زیادہ امیر ہو گئے اور مرسڈیز کاروں سے چلتے ہیں جبکہ بہت سارے حکومت کے افسران کو کئی ماہ سے تنخواہیں نہیں ملی ہیں۔ انہیں باتوں کے پیش نظر روس اب اپنے حامیوں پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ وہ اسلام پسندوں سے سمجھوتہ کر لیں تاکہ جنگ پر جو صرفہ آرہا ہے اس سے ملک کی معیشت کو بہتر بنایا جا سکے۔

الجزائر میں کار بم دھماکے حکومت کے لیے وارننگ

حکومت نے مذاکرات میں اسلام پسندوں کو نظرانداز کیا تو حالات اور خراب ہو سکتے ہیں

نومبر ۱۹۹۵ میں الجزائر میں صدارتی انتخابات ہوئے تھے جس کا اسلامی نجات محاذ سمیت کئی دوسری پارٹیوں نے بائیکاٹ کیا تھا۔ اس وقت الجیرس اور بعض دوسرے شہروں میں کافی تعداد میں لوگوں نے انتخاب میں حصہ لیا تھا۔ لیکن پھر بھی دیہاتوں اور شہر کے غریب علاقوں میں پولنگ یا تو ہوئی نہیں تھی یا برائے نام ہوئی تھی۔ جو ووٹ پڑے تھے ان کا ۶۰ فیصد صدر لیامین زیروال کو ملا تھا۔ اس لنگڑی لولی کامیابی پر نہ صرف صدر زیروال اترائے پھر رہے تھے بلکہ مغربی پریس بھی بیحد خوش تھا۔ مغربی پریس نے سارے جہاں میں ڈنکا بجادیا کہ الجزائر کے عوام نے اسلام پسندوں کو رد کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے ان کے بائیکاٹ کرنے کی اپیل کو انتخاب میں حصہ لیکر رد کر دیا ہے۔

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ اسلامی نجات محاذ کو الجزائر کی راجدھانی الجیرس میں پہلے بھی ۵۰ فیصد یا اس سے کچھ زیادہ مقبولیت حاصل تھی۔ اب بھی وہاں کا غریب طبقہ اس اسلام پسند جماعت کے ساتھ ہے۔ مگر مسلسل خانہ جنگی نے ان کی معاشی حالت کو مزید بدتر بنا دیا ہے۔ اس وجہ سے موجودہ حکومت کو نہ چاہتے ہوئے بھی ان میں سے بعض نے انتخاب میں حصہ لیکر یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ اسلامی نجات محاذ کو اپنی پالیسی بدلنا چاہیے۔ دراصل اسلامی نجات محاذ یا سالویشن فرنٹ کو پہلے ہی اس کا اندازہ تھا اور اسی لئے انتخاب سے پہلے ہی سے وہ حکومت سے مذاکرات پر آمادہ نظر آتی تھی۔ مگر صدر زیروال اور مغرب نواز فوج اس کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت مذاکرات میں کبھی سنجیدہ نہیں رہی۔ اسلامی سالویشن فرنٹ نے ایسا لگتا ہے کہ مسلح اسلامی جماعت کو بھی کسی حد تک تشدد سے باز آجانے پر آمادہ کر لیا تھا۔ ان سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ الجزائر میں گذشتہ نومبر سے رمضان شروع ہونے تک کافی امن رہا۔

اس صورت حال کو دیکھ کر بہت ساری غیر ملکی کمپنیاں الجزائر کے تیل اور گیس کے ذخائر کو ترقی دینے کے لئے حکومت سے بڑے بڑے معاہدے کرنے لگیں۔ یہ سب بلاشبہ اس ملک کے لئے خوش آئند ثابت ہو سکتا تھا جہاں ۲۵ فیصد سے زائد لوگ بے روزگار اور آدھی سے زیادہ آبادی انتہائی غریب ہے۔ مگر سالویشن فرنٹ اور مسلح اسلامی جماعت کی خاموشی کا حکومت نے غلط مطلب نکالا اور یہ سمجھ لیا کہ انتخاب میں صدر زیروال کی "کامیابی" نے انہیں پست کر دیا ہے۔

اس دوران مسلح اسلامی جماعت نے سالویشن فرنٹ پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ زیروال حکومت بندوق کی زبان کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں سمجھتی۔ فرنٹ نے پھر بھی دوبارہ تشدد کی راہ اختیار نہ کی۔ لیکن الجامعہ الاسلامیہ المسلمہ نے دوبارہ شد و مد سے ہتھیار اٹھالیا۔ چنانچہ رمضان شروع ہوتے ہی انہوں نے نہ صرف حملے شروع کردیے بلکہ پہلے سے زیادہ خطرناک حملے کرنے لگے۔ گذشتہ ایک ماہ سے بھی کم عرصے میں الجزائری دارالحکومت میں ۱۲ سے زیادہ کار بم دھماکے ہوئے ہیں جن میں دو سو سے زائد لوگ زخمی اور ۵۰ لوگ ہلاک ہو چکے ہیں۔ ان حملوں کے بعد حکومت نے ہوش کے ناخن لئے اور اسلامی سالویشن فرنٹ سے جو سردست تشدد سے کنارا کش ہے، مذاکرات شروع کر دئے۔ لیکن الجامعہ الاسلامیہ کو ان کی یہ ادا پسند نہ آئی اور انہوں نے اپنے حملوں میں مزید شدت پیدا کر دی۔

حالیہ حملہ ۱۲ فروری کو دارالحکومت کے اس علاقے میں ہوا جہاں کئی آزاد اخبارات کے دفاتر ہیں۔ یکے بعد دیگرے دو کار بم پھٹے جس میں ایک کثیر الاشاعت اخبار کے ایڈیٹر سمیت ۱۸ افراد ہلاک اور ۵۰ زخمی ہو گئے۔ الجامعہ الاسلامیہ کا الزام ہے کہ یہ اخبارات حکومت کے ایجنٹ ہیں جبکہ حکومت انہیں غیر ذمہ دار کہہ کر تنگ کرتی ہے۔

حال ہی میں حکومت نے ایک حکمنامہ جاری کرکے آزاد اخبارات سے کہا ہے کہ وہ "انتہا پسندوں" سے متعلق خبریں شائع کرنے سے پہلے حکومت کو دکھا کر ان کی اشاعت کی منظوری لیں۔ گویا آزاد اخبارات سے نہ صرف الجامعہ الاسلامیہ خفا ہے بلکہ حکومت بھی نالاں ہے اور چکی کے پاٹوں کے بیچ وہ پس کر رہ گئے ہیں۔

۱۲ فروری کے حملے کی اگرچہ کسی گروپ نے ذمہ داری قبول نہیں کی لیکن مبصرین کو تقریبا یقین ہے کہ یہ الجامعہ الاسلامیہ المسلمہ کی حرکت ہے۔ مبصرین کا یہ بھی خیال ہے کہ "دراصل حکومت اور اسلامی سالویشن فرنٹ، جو اس وقت مذاکرات کر رہے ہیں، دونوں کو ایک طرح کی وارننگ ہے کہ انہیں کسی بھی حالت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہ ان باہری سرمایہ داروں کے لئے بھی ایک وارننگ ہے جو الجزائر میں سرمایہ لگانے کے لئے بے تاب ہیں۔

الجزائر کی صورتحال کو دیکھ کر یہی کہا جاسکتا ہے کہ مغرب اور مغرب نواز الجزائریوں بشمول صدر زیروال اور فوج کے تمام لوگوں کو یہ احساس ہوجانا چاہیے کہ اسلام پسند ملک میں ایک سیاسی و سماجی طاقت ہیں نہ کہ ایک چھوٹا سا ہتھیار بند گروپ۔ اس لئے چاہیے کہ سنجیدہ کوششوں کے ذریعے انہیں مذاکرات پر آمادہ کر کے، اور مغرب نوازی ترک کر کے، ملک کے بہتر مستقبل کے لئے ایسی پالیسیاں اختیار کی جائیں جو سب کے لئے قابل قبول ہوں۔

•

> حالیہ حملہ ۱۲ فروری کو دارالحکومت کے علاقے میں ہوا جہاں کئی آزاد اخبارات کے دفاتر ہیں۔ یکے بعد دیگرے دو کار بم پھٹے جس میں ایک کثیر الاشاعت اخبار کے ایڈیٹر سمیت ۱۸ افراد ہلاک اور ۵۰ زخمی ہو گئے۔

الجزائر میں کار بم سے ہونے والی تباہی

بقیہ: صدام

اور اقوام متحدہ اس کی نگرانی کرے گی۔

لیکن کیا صدام حسین اسے واقعی قبول کرلیں گے۔ یہ کہنا ابھی مشکل ہے۔ پیشین گوئی یہ ہے کہ عراق میں امسال گیہوں کی فصل بہت خراب ہوگی۔ دوسرے عوام امریکہ اور مغرب سے دشمنی کے باوجود وقتی طور پر توہین آمیز شرائط کو قبول کرکے بھی اقوام متحدہ کی پیش کش کو قبول کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محض یہ خبر سن کر کہ عراق اس مسئلے پر اقوام متحدہ سے گفتگو کے لئے تیار ہو گیا ہے، بغداد میں لوگوں نے خوشیاں منائیں۔ ان باتوں کے پیش نظر ممکن ہے اس بار صدام حسین کڑوا گھونٹ پی کر اس تجویز کو قبول کرلیں۔

بقیہ: ایران و امریکہ...

۔ امیر خلیجی ریاستوں پر یہ جتا کر کہ ان کی عدم موجودگی کی صورت میں وہ "توسیع پسند" ایران کا لقمہ تر ثابت ہوں گے یا اپنے عوام کے غصہ اور بغاوت کا سامنا کریں گے، مغرب ان کا معاشی استحصال کر رہا ہے۔ اس طرح ایران کا معاشی بائیکاٹ کرکے مغرب کا جتنا نقصان ہو رہا ہے اس سے کہیں زیادہ دوسری خلیجی ریاستوں سے ایران دشمنی کی وجہ ہی سے انہیں فائدہ پہونچ رہا ہے۔ اسی معاشی فائدے کے لئے امریکہ ایران کے "موہوم خطرے" کو زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ بحرین میں عوام معاشی محرومی کی وجہ سے احتجاج کریں تو اسے ایرانی سازش کا نام دیا جاتا ہے۔ اسی طرح کہیں اور عوامی بے چینی پیدا ہو تو اس میں بھی ایران کا ہاتھ دکھایا جاتا ہے اور ان سب کا مقصد اندر سے کمزور خلیجی ریاستوں کو ڈرا کر علاقے میں اپنی موجودگی کو یقینی بنانا اور اس بہانے ہتھیار بیچ کر اور دوسرے طریقوں سے تجارتی فوائد حاصل کرنا اس وقت مغرب کی اصل پالیسی ہے۔

•

بقیہ: ایندھن کا دھواں

سرکاری اسکیموں کے باوجود عوام کا ایک بڑا طبقہ اس سہولت سے محروم ہے اور گنے چنے خوشحال کاشتکار خاندان ہی اس سے فائدہ اٹھا پاتے ہیں۔ ایک دوسرا طریقہ مھتول اور اتھنول سے بنائی گئی سیال گیس کا بھی ہے اور بایو گیس کے مقابلے میں محفوظ ہے لیکن لکڑی اور گنے کے پھوک کی سپلائی اس کے لئے وافر نہیں ہوتی اس لئے یہ بھی عوام کی دسترس سے باہر ہی ہے۔

ایسی صورت حال میں ہمارے لیے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں ایک تو یہ کہ دانستہ طور پر ایسے پیڑ پودے لگائیں جن کی لکڑی جلنے پر کم سے کم دھواں پیدا کرے۔ دوسرے یہ کہ چارکول کو اس طرح قابل استعمال بنایا جائے کہ اس میں شامل زہریلی گیسوں کے نکاس کے لئے چمنی بنائی جائے۔ اسی طرح کھانا پکانے کے اسٹو کا ڈیزائن اس انداز کا بنایا جاسکتا ہے کہ پکنے کا عمل کم سے کم وقت میں مکمل ہوجائے یعنی کہ اس کی حرارتی صلاحیت کو بڑھایا جائے۔ اس اقدام سے پیڑ پودوں کے کاٹے جانے کا عمل بھی سست پڑے گا۔ تاہم دھوئیں کی نکاسی کے لئے چمنی کی ضرورت گھر میں کھانا پکاتے وقت ہمیشہ باقی رہے گی۔

•

ان سوالوں کے جواب دیں

میں ملی ٹائمز اخبار کا ابتداء سے ہی خریدار ہوں میں اس اخبار کو دلچسپی سے پڑھتا ہوں۔ اس سے مجھے دنیا کے حالات کا پتہ چلتا ہے۔ ماشاء اللہ دن بہ دن پاکیزگی کے ساتھ ملی ٹائمز کا معیار کافی اچھا ہوتا جارہا ہے۔ مجھ کو آپ کے اخبار سے اتنی محبت ہوگئی ہے کہ میں ہر ماہ بڑی پابندی کے ساتھ اس اخبار کا مطالعہ کرتا ہوں میں ہی نہیں ہمارے گھر کے سارے افراد بھی آپ کے اخبار سے کافی دلچسپی رکھتے ہیں۔ کچھ دنوں سے ابلیس کے بارے میں آپ کے اخبار سے ہمیں بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔ اس مضمون کے مطالعہ سے میرے ذہن میں بہت سے سوال ابھر رہے ہیں۔ ان سوالوں کا جواب حاصل نہیں ہورہا ہے مجھے امید ہے کہ آپ سوالوں کا جواب اپنے انداز میں بیان کریں گے۔ سوال اس طرح سے ہیں۔

۱۔ سمندر کی اوپری سطحوں پر سانپوں کی شکل میں جو مخلوق دیکھی گئی۔ اور جو اپنے منہ سے آگ اگلتی ہے وہ کون سی مخلوق ہے۔

۲۔ مثلث نما برمودا کس سمندر میں ہے؟

۳۔ رفیق باغی کون ہے۔ اور وہ آپ کو کہاں سے ملا؟

۴۔ کیا ابلیس کی طاقت انسانوں کی طاقت سے زیادہ ہے؟

۵۔ ابلیسی مخلوق کس ڈھنگ کی ہے۔ وہ کیا کھاتے ہیں۔ اور کیا پہنتے ہیں؟

۶۔ سمندر سے جو چیز یعنی آگ کا گولا جو کافی اوپر اٹھتا ہے۔ اور پھر سمندر کی سطحوں میں غائب ہوجاتا ہے۔ اس کے اسباب کیا ہیں؟

۷۔ ابلیس کو مارنے کا کیا طریقہ ہے؟

۸۔ کیا ہم انسانوں کی طرح ابلیس بھی خدا کی عبادت کرتا ہے؟

۹۔ کیا ابلیس انسانوں کا دشمن ہے۔

۱۰۔ ابلیس کس طرح کی زبان بولتا ہے؟

۱۱۔ ابلیس کو دنیا میں آنے کا کیا مقصد ہے۔

۱۲۔ ابلیس سمندر میں اپنا گھر کیوں بنائے ہے؟

۱۳۔ سمندر کے اوپر آنے جانے والے بحری اور بری جہاز غائب ہوجاتے ہیں۔ اس کے اسباب کیا ہیں۔

محمد اقبال
جمشید پور (بہار)

یہ مسلمانوں کے ہمدرد نہیں

۱ سے ۱۵ جنوری تک کا ملی ٹائمز پڑھا اس کی "سرورق کی کہانی" میں سپریم کورٹ کے فیصلے متعلق پڑھا، پڑھ کر سپریم کورٹ کے فیصلے پر تو افسوس ہوا ہی، مگر ساتھ میں ایک اور افسوس ہوا وہ یہ کہ مہاراشٹر کے وزیر اعلی منوہر جوشی اور راجستھان کے وزیر اعلی بھیروں سنگھ شیخاوت کے خلاف مقدمہ درج کرانے والے بھی ہندو ہی ہیں۔ کاش ان لوگوں کے خلاف مقدمہ کوئی مسلمان لیڈر درج کرواتا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ مسلمانوں کو اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ فکر ہی نہیں ہے یا پھر وہ "جیسے گزرتی ہے گزارو" والے مقولے پر عمل پیرا ہیں۔

اور اگر کچھ لوگو یہ سوچتے ہوں کہ چلو کانگریس کے ہندو لیڈر تو مسلمان کے ساتھ ہیں کہ انہوں نے مہاراشٹر اور راجستھان کے وزراء اعلی کے خلاف مقدمے درج کروائے تو میں یہ بھی بتاتا چلوں کے یہ مقدمے کانگریس کے لیڈروں نے اس لئے درج کروائے ہیں کہ وہ مہاراشٹر اور راجستھان کے وزراء اعلی سے ہار گئے یا پھر کانگریس کے یہ دونوں لیڈران ان دونوں وزراء اعلی کا انتخاب رد کرواکر الیکشن میں خود کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کے کوئی ہمدرد نہیں ہیں۔

محمد آصف ویرانی
سورت (گجرات)

مونگیر کے بیڑی مزدوروں میں بے چینی

بہار کے وزیر اعلی اور وزیر محنت کی توجہ مونگیر ضلع کے بیڑی مزدوروں کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اس ضلع میں تقریبا چار ہزار بیڑی مزدور رہتے ہیں۔ جس میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی ہیں۔ یہاں پانچ ماہ سے لگاتار بیڑی کا کام بند ہے۔ ان مزدوروں کا برا حال ہورہا ہے۔ لوگ بھوک سے پریشان ہیں۔ مزدور لوگ اپنے ایم۔ ایل۔ اے۔ اور ایم۔ پی کے پاس بھی جارہے ہیں۔ لیکن سارے رہنما وعدے پہ وعدہ کررہے ہیں۔ کہ "ہم اس ہفتہ کام شروع کروادیں گے" لیکن ہفتہ گذرتے گذرتے آج بیس ہفتہ گذر چکا ہے۔ لیکن کام نہیں کھلا۔ کچھ مزدور یہاں سے بھاگ کر دوسرے ضلع میں کام کرنے کے لئے چلے گئے ہیں۔ گھر میں ان کے بچے بھوک کی وجہ سے تڑپ رہے ہیں۔

وزیر اعلی لالو پرساد جی سے گذارش ہے کہ ان مزدوروں کے حالات پر توجہ دے کر بیڑی مالک کو کام کھولنے پر راضی کریں یا ان کے خلاف کارروائی کرکے کام کھلوانے کی کوشش کریں۔ امید ہے کہ وزیر اعلی ہماری درخواست اور مزدوروں کا خیال کرتے ہوئے مالک کے خلاف مؤثر قدم اٹھائیں گے۔

محمد شمشاد علی چورمبہ، مونگیر (بہار)

علماء بتائیں
جہیز سنت یا لعنت

میں مسئلہ جہیز لے فتوؤں سے حد درجہ پریشان ہوں۔ کسی رسالہ و کتاب میں پڑھتا ہوں کہ جہیز سنت ہے تو دوسرے رسالہ و کتاب میں پڑھتا ہوں کہ جہیز لعنت ہے۔ آخر ایک مسئلہ پر کیا دو متضاد فتوے جاری کئے جاسکتے ہیں؟ اب میں جاننا چاہتا ہوں کہ اگر جہیز سنت ہے تو اس کی حدیث بیان کی جائے اور کتنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے اس پر عمل کیا ہے۔ ہر قول کے تاریخی واقعات درج ہوں اور اگر جہیز لعنت ہے تو بھی اقوال و واقعات تفصیل سے درج ہوں۔ کیا "جہیز سنت یا لعنت" کے عنوان پر کوئی معتبر کتابچہ یا رسالہ بازار میں مہیا ہوسکتا ہے؟ اگر کوئی صاحب نشاندہی فرمادیں تو شکر گذار ہوں گا اور اگر ابھی تک ایسی مستند کتابچہ کی اشاعت نہیں کی گئی ہے تو اس کی ترتیب پر فوری توجہ دینی چاہیے۔

محمد علاء الدین چترپور (بہار)

جتنی تعریف کی جائے کم ہے

قوم کی بیش قیمت خدمات جو آپ ناصحانہ انداز سے انجام دے رہے ہیں اس کے لئے میرے خیال میں عالم اسلام کو آپ کا مشکور ہونا چاہئے جس صاف گوئی اور حقیقت پسندی سے آپ کام لے رہے ہیں اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ میری دلی مبارکباد قبول فرمائیے۔ اللہ تعالی آپ کا عزم و حوصلہ بلند رکھے اور قوم کے ہر فرد کو آپ کی تقلید کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

شہزاد میرٹھی
۱۹۰، محلہ شاہ تھن
میرٹھ شہر (یوپی)

علماء اپنا فرض یاد کریں

چناؤ کا موسم آگیا ہے اور ہر مسلک اور مکتب خیال کے علما اپنی اپنی خانقاہوں سے باہر نکل آئے ہیں۔ اور اپنی اہمیت جتاکر سیاستدانوں سے سودے بازی کی کوشش کررہے ہیں جلسے جلوس بھی کئے جارہے ہیں اور مذہب کے نام پر لوگوں کو بلاکر سیاسی دوکان چمکانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ سیاسی لیڈران مزارات پر چادریں بھی چڑھا رہے ہیں۔ مسلمانوں سے مل کر ان کی شکایتیں سن رہے ہیں اور خود کو ان کا بہت بڑا ہمدرد ثابت کررہے ہیں: علماء کرام کے پاس کانفرنس اور جلسے کرنے کے لئے پیسہ ہے مگر معذوروں، یتیموں اور بیواؤں کے لئے پیسہ نہیں ہے۔ کیا علما اپنا فرض یاد کرنے کی کوشش کریں گے۔

ایم ایم جسیم الدین بیلی بھیت

بقیہ: ہندوستان اسمگلنگ کا اڈہ...

ہے جو امریکہ سے افغانستان پہنچا۔ کنگز کالج کے سنٹر آف ڈیفینس اسٹڈیز کی طرف سے افغانستان کی جنگ میں سی آئی کے توسط سے سپلائی ہونے والے ملٹری ہارڈویر کی تفصیل پر مبنی ایک دستاویز میں یہ بات کہی گئی ہے کہ نان میجر ویپن سسٹم کی دستیابی اور استعمال سے سندھ، کشمیر اور پنجاب میں گروہی تصادم مزید شدت اختیار کرے گا۔ ۱۹۸۰ کے اوائل سے سی آئی اے کے ایجنٹ ترکستان اور چین سے بھی افغانستان مجاہدین کے لئے اسلحے خرید رہے تھے۔ ۱۹۸۳ میں پاکستانی ذرائع کی وساطت سے افغان مجاہدین کو دس ہزار ٹن اسلحہ اور بارود فراہم کیا گیا تھا اور یہ سپلائی ۱۹۸۷ میں بڑھ کر ۶۵ ہزار ٹن تک پہنچ گئی۔ مجاہدین کو مسلح کرنے کے لئے امریکی نیشنل سیکورٹی اور سی آئی اے نے نو ملین ڈالر خرچ کئے تھے۔ اسلحہ خریدنے کا کام سی آئی اے کے کارندوں نے انجام دیا تھا اور اسلحہ فروخت کرنے والے ممالک تھے رومانیہ، چیکو سلوواکیہ، مصر، چین، اسرائیل اور مشرقی جرمنی۔ یہ مال آئی ایس آئی کے ذریعے افغانستان روانہ کیا گیا لیکن اس میں سے بیشتر حصہ خرد برد کردیا گیا اور، ایک اندازے کے مطابق آئی ایس آئی نے تیس لاکھ کلاشنکوف رائفلیں اپنے قبضے میں لے لیں اور جو کچھ بچا وہ شمال مغربی صوبہ سرحد کے بازاروں میں پہنچ گیا جہاں اسلام آباد کے ضوابط کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ افغانستان سے سوویت فوجوں کے انخلاء کے بعد مجاہدین کمانڈروں اور آئی ایس آئی کے سرکردہ ممبران نے اسلحہ کے اس اسٹاک کی تجارت سے خوب نفع کمایا۔

افغان۔ پاکستان سرحد پر واقع ذرا دور لانڈی کوتاں کے بازاروں میں قدم قدم پر اسلحہ خریدنے والے مل جائیں گے۔ ان میں کراچی سے پہنچنے والے مہاجر قومی موومنٹ کے انقلابی بھی ہیں اور راجستھان اور کشمیر کی طرف سے سرحد عبور کرکے ہندوستان آنے والے بندوق فروش بھی۔ بندوق کو اسمگلنگ کے بازار کا تپا سونا بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ ایک اے۔ کے۔ ۴۷ جس کی قیمت صوبہ سرحد میں ۵۰۰ ڈالر ہے بمبئی یا بہار میں آکر پندرہ سو ڈالر میں بکتی ہے۔ مجاہدین کمانڈر ہی بیچ کر مالامال ہوگئے اور ان میں سے کئی ایسے ہیں جو بیرون ملک مہنگے علاقوں میں رہتے ہیں۔

مشرقی بلاک کے ٹوٹنے سے عالمی برادری کے لئے بعض نئے مسائل پیدا ہوگئے ہیں۔ روس اور دیگر مشرقی یوروپی ممالک نے اگرچہ اپنے دفاعی اخراجات میں خاص تخفیف کردی ہے تاہم ان کی چھوٹے پیمانے کی اسلحہ ساز فیکٹریاں آج بھی چل رہی ہیں۔ چونکہ سرکاری راحت کی سہولت اٹھالی گئی ہے اس لئے ان فیکٹریوں کے منتظمین کسی سے بھی سودا کرلیتے ہیں جو ان کے سامان کو فروخت کرسکتا ہو اور درمیانی افراد کے ہاتھوں طے ہونے والے سودے میں خریدے گئے اسلحوں کی منزل برصغیر ہوتی ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا مشرقی یوروپ، چین، ترکی، لیبیا، اسرائیل سے خریدا ہوا اسلحہ کراچی کے راستے ملک میں آکر کشمیر پنجاب، گجرات اور مہاراشٹر میں تقسیم ہوتا ہے۔ چین کی سرحد سے جو اسلحہ ہندوستان پہنچتا ہے وہ تھائی لینڈ، کمبوڈیا یا سنگاپور سے چلتا ہے جو اصلا شمال مشرقی علاقوں کے باغی گروہوں کے لئے ہوتا ہے۔ برما کو چھونے والی سرحد اور منی پور کے درمیان بھی اسمگلنگ ہوتی ہے۔ بعض سادہ اسلحے بنگلہ دیش کے راستے ہندوستان آرہے ہیں۔

اس دوران ایک حیرت انگیز انکشاف یہ بھی ہوا ہے کہ بہار اور آندھرا پردیش میں جو اسلحے پکڑے گئے ان پر برازیل، چیلی اور ارجنٹائنا کی مہریں ہیں۔ ان علاقوں میں پکڑے گئے زیادہ تر اسلحوں کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ وہ چین سے بھیجے گئے تھے۔ اس کے ثبوت بھی ملے ہیں کہ "پیوپلز وار گروپ" نے ایسی زمینی سرنگوں کا استعمال کیا جو موزبیق جانے کے لئے مخصوص کی گئی تھیں ملک میں آر ڈی ایکس کی اسمگلنگ کا ایک اہم راستہ جافنا کا ہے جہاں یہ چیز سنگاپور اور ہانگ کانگ سے آتی ہے

پرولیا کے واقعے نے یہ بھی ثابت کردیا ہے کہ ملک کا فضائی دفاعی نظام کس قدر ناکارہ ہے اور اسمگلنگ کو روکنے کے لئے بری اور بحری دونوں قبیل کے انتظامات غیر مؤثر ہیں۔ اس سے پہلے کہ حالات قابو سے باہر ہوں غیر قانونی اسلحے کا پھیلاؤ روکنے کے لئے حکومت کی طرف سے جامع حکمت عملی وضع کئے جانے کی سخت ضرورت ہے۔ ●

بقیہ: سالمیت پر قاتلانہ حملہ

گجرات و راجستھان

پچھلے دو برسوں سے پاکستان سے ملنے والی زمینی اور ساحلی سرحدوں سے اسلحہ کی اسمگلنگ رکی ہوئی تھی جس کا سبب داؤد ابراہیم گروہ پر پولیس کے چھاپے اور عبدالطیف شیخ کی گرفتاری تھا۔ دوسری وجہ ناقابل گذر پاکستانی سرحد پر اسپیڈ بوٹوں کی فراہمی ہے۔ باڑھ میر اور جیسلمیر کا علاقہ ۱۹۸۰ کی دہائی میں اسمگلنگ کے لئے معروف تھا لیکن خاردار تاروں کی باڑھ اور فلڈ لائٹ کے انتظام کے بعد یہ سلسلہ رکا ہوا معلوم ہوتا ہے پھر بھی حیرت ہے کہ ایک سال کے اندر یہاں چالیس عدد اے کے ٹائپ رائفلیں اور ایک سو سے زائد پستول پکڑے جاچکے ہیں۔ مدھیہ پردیش میں مالوہ کا علاقہ خصوصا مندسور نہ صرف اسلحے کی بلکہ افیم کی اسمگلنگ کا بھی اڈہ ہے۔ اس ضلع میں تمل باغی بھی خاصے سرگرم ہیں اور غالبا نکسلائٹ گروہوں کو مسلح کرنے میں بھی ان کا ہاتھ ہے۔

شمالی آندھرا، جنوبی مدھیہ پردیش اور وسط بہار میں سرگرم نکسلائٹ گروہ جو اب سے تین دہائی پہلے تک خام اسلحوں پر گذارا کررہے تھے وہ بھی تمل باغیوں سے جدید ہتھیاروں اور بارودی ترکیبوں میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں جس کا ثبوت راجیو گاندھی کا قتل ہے۔ دراصل نکسلائٹ گروہ خود کو مسلح کرنے کی تیاری میں تین سال پہلے سے مصروف تھے جیسا کہ اس وقت بنگلور میں سدھاکر ریڈی کی رہائش پر چھاپہ میں برامد ۸۰۰ رائفلوں اور ۴۴۰۰۰ کارتوسوں سے ہوتا ہے۔ حال ہی میں مظفر نگر میں ایک نکسل گروہ کی طرف سے آندھرا پردیش کے لئے روانہ ایکس اقسام کے ہتھیار پکڑے گئے ہیں۔ اسلحہ کی اسمگلنگ خواہ سست پڑجائے لیکن انتظامیہ اور پولیس پر یہ راز کبھی نہیں کھل پاتا کہ ناجائز اسلحہ اور بارود کن ذرائع سے ملک میں آتا جارہا ہے۔ مجموعی طور پر پورے ملک پر اے ۴۷ اور آر ڈی ایکس کلچر کی گرفت روز بروز سخت ہوتی جارہی ہے۔ ●

کشمیری رہنماوں کی مذاکرات کی پیش کش مسئلہ کشمیر کا نیا موڑ

کیا اس دلیرانہ پیش کش کا کوئی نتیجہ برآمد ہوگا

معاصر صحافت کے اس کالم میں ہم مسلم معاملات، سیاسی حالات اور دوسرے اہم موضوعات پر معروف اہل قلم اور صحافیوں کے مضامین شائع کرتے ہیں۔ یہ مضامین ہم مختلف قومی اخبارات سے منتخب کرتے ہیں۔ ان کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ قارئین دوسرے اخبارات کے قلم کاروں کے نظریات و خیالات سے واقف ہو سکیں اور یہ جان سکیں کہ دوسری زبانوں کے اخبارات مذکورہ معاملات پر کیا موقف اخیار کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

تحریر : ——— آدتیہ سنہا

اب تک پاکستان نواز تصور کیے جانے والے چار ممتاز کشمیری باغی لیڈروں کی طرف سے آگے آنے اور براہ راست غیر مشروط گفتگو کی پیش کش کشمیر کی ۶ سالہ بغاوت کی موجودہ صورت حال میں ایک نیا موڑ ہے۔ کشمیر کی آزادی کے لئے جد و جہد میں مصروف علیحدگی پسندوں نے پہلی بار گفت و شنید کی خواہش ظاہر کی اور وہ بھی پاکستان کی شرکت کے ساتھ۔ یہ چاروں لیڈر یعنی بلال لودھی، غلام رسول شاہ عرف عمران راہی، غلام محی الدین لون اور فردوس احمد بابا عرف بابر بدر ابھی تک سیاسی منظر پر نہیں آسکے ہیں کیونکہ وہ حفاظتی فوجوں سے برسر پیکار رہے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ حکومت ہند باغیوں کو اس دلیرانہ پیشکش کے عوض کیا دیتی ہے۔ وزیر اعظم نرسمہا راؤ جو اس وقت جموں و کشمیر کے امور بھی سنبھالے ہوئے ہیں انہیں اپنی سیاسی مصروفیات سے خود کو بچا کر اور کشمیر کے معاملے میں مرکز کے عام سرد رویے سے اوپر اٹھ کر ایک یکساں جرات مندانہ اقدام کرنا ہوگا جو کشمیری عوام اور مرکز کے درمیان طویل تعطل کا ازالہ کر سکے۔

انتہا پسندوں کی جانب سے مذاکرات کی پیش کش یہ ظاہر کرتی ہے کہ کشمیر کا عام شہری آئے دن کے تشدد سے عاجز آچکا ہے جس میں زندگی داؤ پر لگی ہوئی اور باعزت طور پر حصول امن کا خواہاں ہے۔ یہ بات کہ وہی انتہا پسند جو حکومت ہند کے خلاف مسلح جنگ کر رہے تھے آج گفتگو کے لئے تیار ہیں اس خواہش کی صداقت کی دلیل ہے۔ اس کے ساتھ انتہا پسندوں نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ وہ کشمیر کے چالیس ہزار معصوموں کے خون، تباہی و بربادی، عورتوں کی بے حرمتی اور عصمت دری کے صدمے کو نہیں بھول سکے ہیں۔ ظاہر ہے کشمیری عوام کو کوئی ایسا حل جو انہیں صوبے میں ۱۹۸۹ کی سیاسی صورت حال کی طرف واپس لے جائے قبول نہیں ہے کسی حل کے حصول کے لیے کشمیری عوام کی شدید خواہش کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ انتہا پسندوں نے کل جماعتی حریت کانفرنس کو واضح الفاظ میں بڑے پر اعتماد طریقے سے مسترد کر دیا ہے۔ حریت کانفرنس تیس سے زائد سیاسی اور سماجی تنظیموں کا مجموعہ ہے جو اب تک خود کو کشمیریوں کے واحد نمائندے کی حیثیت سے پیش کرتا رہا ہے (اس میں ہند نواز جماعتیں بھی شامل ہیں مثلا نیشنل کانفرنس جسے کشمیری عوام پہلے ہی تسلیم نہیں کرتے)۔ انتہا پسندوں کی طرف سے حریت کانفرنس کی مذمت بھی قابل غور ہے کیونکہ ابھی تک حریت کانفرنس پر انگلی اٹھانے والے پر حکومت کا ایجنٹ ہونے کا الزام آتا تھا۔

> انتہا پسندوں کی جانب سے مذاکرات کی پیش کش یہ ظاہر کرتی ہے کہ کشمیر کا عام شہری آئے دن کے تشدد سے عاجز آچکا ہے جس میں زندگی داؤ پر لگی ہوئی اور باعزت طور پر حصول امن کا خواہاں ہے۔ حکومت سے برسر پیکار انتہا پسندوں نے اس خواہش کا اظہار کر دیا ہے کہ وہ کشمیر کے چالیس ہزار معصوموں کے خون اور عورتوں کی بے حرمتی کے صدمے کو نہیں بھول سکے ہیں۔

اب صورت حال بدلی ہے تو خود انتہا پسند گروپوں کے لیڈران ہی حریت کانفرنس کی قیادت کو ان کے تعیشانہ طرز زندگی کو ہدف ملامت بنا رہے ہیں جب کہ عوام فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں۔ اس مذمت کی دوسری وجہ حریت لیڈروں کی آپسی چپقلشیں بھی ہیں۔ ان میں قوت فیصلہ کی کمی اور بحران سے دوچار ہونے پر غور و فکر کی صلاحیت کے فقدان نے بھی قابل مذمت ٹھہرایا ہے جس کا اظہار ان کی طرف سے حضرت بل اور چرار شریف کے محاصرے کے واقعات کے دوران ہوا۔ حریت لیڈران نے بار بار اتنی ہڑتالیں کیں کہ وہ بالکل بے اثر ہو گئیں اور اس ہڑتالی سیاست نے کشمیر کی اقتصادیات کو پست کر کے رکھ دیا۔

انتہا پسندوں کی طرف سے یہ شدید نکتہ چینی حریت کانفرنس کے لئے موت کا پیغام سمجھنا چاہئے جس نے گذشتہ چار برسوں میں کشمیر کے عوام کو ان کا حق دلانے کے لئے کچھ بھی تو نہیں کیا۔ حریت کانفرنس کے خاتمے کی طرف یہ اولین قدم مرکز میں ان حلقوں کے لئے خوش خبری سے کم نہیں جنہوں نے مسئلہ کشمیر کو گفتگو کے ذریعے حل کرنا چاہا ہے لیکن انہیں کسی بصیرت یا قیادت کی فراہمی میں حریت کانفرنس کی نا اہلی سے مایوسی ہوئی ہے۔

اس احساس کے تحت کہ مرکز اور کشمیر کے درمیان تعطل کی فضا کو ختم کرنے کے لئے ایک جرات مندانہ اقدام کی ضرورت تھی انتہا پسندوں نے حکومت ہند کو کشمیر کے مسئلہ کو سیاسی اور تاریخی مسئلہ کی حیثیت دینے کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی ہے جس کے حل کے لئے کھلے ذہن کے ساتھ آگے آنا چاہئے۔ اگر ایسا ہو جاتا ہے تو جانبین میں سے کسی کو بھی بات چیت میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔

فوج سے برسرپیکار کشمیری لیڈران گفتگو پر تیار

انتہا پسندوں کا کہنا ہے کہ چونکہ اس کا انہیں یقین ہے کہ ان کی جد و جہد حق و انصاف کے لیے ہے اس لئے بات چیت کے لئے کسی بھی فورم پر آنے میں انہیں کوئی پس و پیش نہ ہوگا۔

اگر حکومت ہند کھلے ذہن کے ساتھ گفتگو کرنے پر آمادہ ہے تو وہ بھی اس پر لبیک کہتے ہوئے گفتگو کے لئے تیار ہیں لیکن وہ اپنے بنیادی حقوق کے معاملہ میں کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے اس لئے نہ دلی اور نہ ہی کشمیر میں کسی گروہ کے لئے ان کی نیت پر شبہ کرنے کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

اب چونکہ گیند مرکز کے کورٹ میں ہے اس لئے وہ اس طرح کے عذر مزید پیش نہیں کر سکتا کہ تجویز پر غور و خوض لیا جائے گا یا یہ کہ بعض وضاحتوں کا ابھی انتظار ہے۔ بلکہ کوئی یقینی اقدام ہی گفتگو کے پیچیدہ عمل کے آغاز کو ممکن بنا سکے گا جس کے بغیر کشمیر کی طرف سے کی گئی پیش قدمی بے معنی ہو کر رہ جائے گی یعنی کہ حکومت ایک اور موقع گنوا دے گی۔ اگر اس وقت حکومت کوئی مثبت قدم اٹھالے گی تو اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ وادی کی دیگر سیاسی شخصیتوں کو بھی آگے آنے کی تحریک ملے گی۔ یہ مسلم ہے کہ حریت کانفرنس کے کئی لیڈران مثلا شبیر شاہ اور یسین ملک سیاسی اقدام کرنا چاہتے ہیں لیکن ابھی تک وہ کوئی ایسا عوامی موقف اختیار کرنے سے بچتے رہے ہیں جس سے حریت کانفرنس کی مخالفت ہو۔ نتیجتا کل جماعتی حریت کانفرنس کے لیڈر دیگر لیڈروں کی طرح گذشتہ ڈیڑھ سال سے اسی پرانی لیک پر جمے ہوئے ہیں۔ تازہ ترین رجحان اور مرکز کی طرف سے مثبت جواب انہیں ذاتی حیثیت میں جرات مندانہ اقدام کرنے میں مدد دے گا۔ یہی نہیں بلکہ نیشنل کانفرنس کے لیڈر فاروق عبداللہ کو بھی اس طرح حرکت میں آنے کی ترغیب ملے گی۔ جموں و کشمیر کے وزیر اعلی جنہیں مرکز کی بار بار کی بے توجہی شرمسار کرتی ہے انہیں بھی کوئی مثبت قدم اٹھانا پڑے گا ورنہ ان کی حیثیت بے معنی وجود سے زیادہ نہیں رہ جائے گی چاہے کشمیریوں اور حکومت ہند کے درمیان مسائل حل ہوں یا نہ ہوں۔

(انگریزی سے ترجمہ)

بقیہ : سالمیت پر قاتلانہ حملہ

گفت و شنید کر کے اسے رہا کرادیا۔ اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سے دہشت گرد گروہوں نے نیپال میں دو کانیں کھول لی ہیں جن میں تمل باغی، دوبئی میں سرگرم گروہ اور طالبان بھی شامل ہیں۔ تاہم نیپالی ذمہ داران اس بات سے انکار کرتے رہے ہیں کہ نیپال ہندوستان میں اسلحے کی اسمگلنگ کا ٹرانزٹ پوائنٹ بنا ہوا ہے۔

تمل ناڈو

۱۹۸۰ کی دہائی میں جب کہا جاتا ہے کہ ہندوستانی انٹلی جینس ایجنسیاں تمل باغیوں کو تربیت دے کر مسلح کر رہی تھیں اس صوبے میں ہتھیاروں کی اسمگلنگ کم ہوئی ہے۔ تاہم ابھی گذشتہ سال اے۔کے ۴۷ کے ۳۲۰ کارتوس ایک گاؤں سے ملے ہیں جو تمل باغیوں کا اہم ٹھکانہ تھا۔ اور اس سے پہلے یہیں سے ایک کار میں ۶۴۰۰۰ ڈیٹونیٹرز بھرے ہوئے پائے گئے۔

مہاراشٹر

بمبئی بم دھماکے کے بعد کونکن کے ساحل پر نگہداشت سخت ہو جانے سے اسلحے کی اسمگلنگ یہاں تقریبا بند ہے اور مہاراشٹر کرائم برانچ کے آئی جی کے مطابق پولیس، ساحلی حفاظتی دستہ اور عوام کے باہمی تعاون سے اب کسی حد تک یہ ضمانت دی جا سکتی ہے کہ ۱۹۹۴ میں آر ڈی ایکس کی اسمگلنگ کا واقعہ یہاں دہرایا نہیں جائے گا۔

کیرالا یہاں پر اسی عدد پائپ بموں کی دریافت کے بعد پولیس حرکت میں آئی ہے تو مختلف جگہوں پر چھاپے مار کر بڑی مقدار میں اسلحہ اور گولیاں برآمد کیں۔ اس کے علاوہ ۱۱۰۵۰ کلو گن پاوڈر بھی پکڑا گیا۔ پولیس ذمہ داران کا کہنا ہے کہ مذہبی بنیاد پرستوں کا اس میں بڑا ہاتھ ہے اور صوبے میں بنیاد پرست گروہوں کی کڑی نگرانی کی جارہی ہے۔

باقی ص۱۴ پر

اقتصادی پابندیوں کے نتیجہ میں پانچ لاکھ عراقی بچے ہلاک ہو چکے ہیں

کیا صدام نے اقوام متحدہ سے سودہ کرنے کا کڑوا گھونٹ پی لیا

عراق۔ کویت بحران سے قبل عراق ان خلیجی ممالک میں سے ایک تھا جہاں بہترین طبی سہولیات مہیا تھیں اور جہاں معقول حد تک خوشحالی تھی۔ لیکن جب سے اقوام متحدہ نے غیر انسانی انداز میں عراق کے خلاف پابندیاں عائد کی ہیں، اس وقت سے اس ملک کی ہر چیز خراب تر ہو گئی ہے۔

> محض یہ خبر سن کر کہ عراق اس مسئلے پر اقوام متحدہ سے گفتگو کے لئے تیار ہو گیا ہے، بغداد میں لوگوں نے خوشیاں منائیں۔ ان باتوں کے پیش نظر ممکن ہے اس بار صدام حسین کڑوا گھونٹ پی کر اس تجویز کو قبول کر لیں۔

یوں تو کہنے کو اقوام متحدہ نے غذا اور دواؤں کی درآمد پر پابندی نہیں لگائی ہے لیکن تیل کی فروخت پر جو پابندی لگائی ہے اس کے نتیجے میں عراقی خزانہ اس قدر خالی ہے کہ نہ تو حکومت اور نہ ہی عوام اس حالت میں ہیں کہ ان اشیاء کو خرید سکیں۔ آج عراق میں دواؤں اور غذاؤں کی سخت کمی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان پابندیوں کو لگنے کے بعد ۵ لاکھ سے زائد بچے ہلاک ہو چکے ہیں۔ مزید برآں بوڑھی آبادی بھکمری کا شکار ہے۔ لوگ اپنے گھروں کے سامان بیچ کر تھوڑی بہت غذا خرید کر کسی طرح اپنا پیٹ پال رہے ہیں۔ دواؤں کی کمی کی وجہ سے طرح طرح کی بیماریاں عام ہیں۔ مغرب اس صورتحال کی ذمہ داری صدام حسین پر اور عراقی حکومت مغرب کو مورد الزام ٹھہراتی ہے۔ سچائی یہ ہے کہ مغرب زیادہ اور صدام حسین ذرا کم، اس ملک کی خستہ حالی کے ذمہ دار ہیں۔

اقوام متحدہ یا مغرب ان پابندیوں کے ذریعہ صدام حسین کو اقتدار سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ کسی "ناپسندیدہ" لیڈر کو ہٹانے کا یہ انتہائی گھٹیا طریقہ ہے کیونکہ اس سے لیڈر کی صحت پر تو کوئی اثر نہیں پڑا مگر عوام، خصوصاً بچے اور بوڑھے فاقہ کشی اور بیماریوں کی وجہ سے ہلاک ہو رہے ہیں۔ مغرب اپنے دفاع میں یہ کہتا ہے کہ وہ تو چاہتا ہے کہ عراقی عوام کو بھوکا نہ رکھے کیونکہ وہ اس مقصد کے لئے عراق کو ہر تین ماہ پر ایک ارب ڈالر کا تیل فروخت کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ چونکہ صدام نے اس تجویز کو رد کر دیا ہے اس لئے وہی اپنے عوام کی بھکمری اور بیماریوں کے لئے ذمہ دار ہیں۔

آیئے دیکھیں اقوام متحدہ یا مغرب کی یہ تجویز کیا ہے؟ اس تجویز کے مطابق عراق کو ہر تین ماہ پر ایک ارب ڈالر کے بقدر تیل بیچنے کی اجازت ہوگی جو اقوام متحدہ کے ایک اکاونٹ میں جمع ہو گا۔ اس کا دو تہائی سے کچھ کم حصہ خلیجی جنگ کے "مظلوموں" کو تاوان کے لئے مخصوص ہونے کے ساتھ اقوام متحدہ کی اس ٹیم پر خرچ ہوگا جسے عراقی ہتھیاروں کو تباہ کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ ایک تہائی سے ذرا زیادہ رقم سے غذائیں اور دوائیں خریدی جائیں گی جو اقوام متحدہ کی نگرانی ہیں عوام میں تقسیم کی جائیں گی۔ اقوام متحدہ خاص طور سے امریکہ اور برطانیہ کو اعتراض ہے کہ اگر صدام کو یہ پیسہ غذاؤں اور دواؤں کی خرید کے لئے دیا گیا تو وہ اسے اس مقصد کے بجائے ہتھیار خریدنے پر صرف کریں گے۔ کوئی بھی اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ شرائط انتہائی توہین آمیز ہیں جو کسی بھی لیڈر کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتیں اور کوئی غیرت مند ملک انہیں دشواریوں کے باوجود ان شرائط کو رد کرنے پر مجبور ہو گا کیونکہ یہ صریحاً اس کے اقتدار اعلیٰ پر ایک حملہ ہے۔ انہیں شرائط کی وجہ سے عراق اب تک اقوام متحدہ کی ہر تین ماہ پر ایک ارب ڈالر کے بقدر تیل بیچنے کی تجویز کی مخالفت کرتا رہا ہے۔

مگر ایسا لگتا ہے کہ حال ہی میں اقوام متحدہ اور عراق کے درمیان کسی قسم کا معاہدہ طے ہوا ہے۔ عراق نے بالآخر اقوام متحدہ کے ساتھ اس مسئلے پر گفتگو کے لئے رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ سردست دونوں فریق اس موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں۔ اشارے کچھ اس قسم کے مل رہے ہیں کہ غذاؤں کی تقسیم عراق میں عراقی حکومت کرے گی

صدام حسین اپنی کابینہ سے پابندیوں کے متعلق تبادلہ خیال کرتے ہوئے

باقی صـ۱۴ پر

بقیہ : فقہی سوال

گیا ہے جو انسانیت کے حق میں مضر اور مہلک ہو خواہ وہ سماج کی نظر میں قابل قبول کیوں نہ ہو۔ مثلاً کئی ممالک میں تمباکو نوشی آج بھی عام طور پر رائج ہے لیکن یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہ عادت صحت کے لئے مضر ہے اور اس سے متعدد عارضے انسان کو لاحق ہو سکتے ہیں جن میں سرطان اور دل کی بیماریاں بھی شامل ہیں۔ اسلام نے ایسے کسی بھی انسانی سلوک کی حوصلہ افزائی نہیں کی کہ جس کی ضرر رسانی مسلم ہو۔ اور اس کی مضرت کی شدت اور اسباب کے مطابق یا تو اسے معیوب قرار دیا یا ممنوع۔

سائل نے بوسے کو ایڈز کے اسباب سے مربوط کیا ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ اس سے ایڈز پھیلنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے اور نہ ہی اب تک کوئی ایسی نظیر سامنے آئی ہے کہ بوسے سے ایڈز پھیلنے کا اندیشہ پیدا ہوا ہو۔ ایڈز کی منتقلی کے تین ذرائع ہی ہو سکتے ہیں۔ متاثر فرد سے جنسی اختلاط، خون کی منتقلی اور دوران حمل متاثرہ ماں سے بچے کی اثر پذیری۔ نظریاتی طور پر جسم کے رقیق مادوں کے ذریعے ایڈز کی منتقلی کا امکان تو ہے لیکن ابھی تک کوئی ایسا واقعہ رپورٹ نہیں ہوا کہ کسی شخص کا تھوک یا آنسو لگ جانے سے دوسرے کو ایڈز لاحق ہو گئی ہو۔

سوال : — ایک دفتر کے کچھ لوگ دفتر کے اندر باجماعت نماز پڑھتے ہیں جو صاحب امامت کرتے ہیں ان کی لمبی گھنی مونچھیں ہیں۔ کسی نے ان سے جب کہا کہ سنت کی اتباع میں انہیں اپنی مونچھیں ترشوانی چاہئیں تو انہوں نے نہ صرف اس سے انکار کر دیا بلکہ نماز بھی الگ پڑھنے لگے۔؟

جواب : — جن صاحب نے امام صاحب کو مونچھیں ترشوانے کا مشورہ دیا تھا وہ اپنی جگہ پر درست تھے۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مونچھیں ترشوانے اور داڑھی رکھنے کی ترغیب دی ہے۔ مونچھیں ترشوانے کی حکمت یہ ہے کہ لمبی مونچھوں کی صورت میں کھانا وغیرہ اس سے چپکا رہ سکتا ہے نیز پانی پیتے وقت اس کا ڈوبنا کراہیت کا باعث ہے اور ذاتی صفائی ستھرائی پر بھی حرف آتا ہے۔ تاہم اس بناء پر امام صاحب کا جماعت سے الگ ہو جانا مناسب نہیں کیونکہ مونچھیں ترشوانا سنت ہے نہ کہ فرض اسی لئے جو شخص داڑھی مونچھ نہیں رکھتا یا صرف مونچھ رکھتا ہے داڑھی نہیں کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا بلکہ سنت سے چشم پوشی کرتا ہے۔ اور اگر پوری جماعت کے اندر سب سے بہتر طریقے سے قرآن کی تلاوت وہ کر سکتا ہو تو امامت بھی وہ کرے گا۔ جماعت کو چھوڑ کر وہ صاحب ضرور گناہ کر رہے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دفتر کے مصلین کے درمیان اختلافات ہیں۔ اس معاملہ کو زیادہ طول نہ دے کر امام صاحب کو جماعت میں شامل کیا جائے۔

بقیہ : لالو کا امتحان

مصائب میں گرفتار ہیں۔ دریں اثنا انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ پارلیمانی انتخابات اپریل میں کرائے جائیں۔ بہرحال اپریل یا مئی میں انتخابات ہونے ہی ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مارچ کے اواخر میں انتخابات کے انعقاد کا اعلان کر دیا جائے۔ ایسی صورت میں لالو کے پاس اور بھی کم وقت رہ جاتا ہے۔ لالو کے لئے یہ آزمائش کی گھڑی ہے۔ انہوں نے بہار میں تو اپنے مخالفین کو بے اثر کر دیا اور ایسی انتخابی حکمت عملی اپنائی کہ جنتادل کے علاوہ کسی اور کا چراغ نہیں جل سکا۔ لیکن کیا قومی سطح پر بھی لالو یہ جادو دکھا پائیں گے ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ بظاہر لالو زبردست امتحان میں پھنس گئے ہیں۔ وہ نیشنل فرنٹ کو کیسے متحد کرتے ہیں اور دوسری چھوٹی پارٹیوں کو کیسے ایک پلیٹ فارم پر لا کر غیر کانگریس وغیر بی جے پی اتحاد کی تشکیل کرتے ہیں یہ آنے والا وقت بتائے گا۔

بقیہ : راکٹوں سے حملے

ایک دوسرے سے منسلک کڑی بتایا ہے۔

پاکستانی اخبارات کی اطلاعات کے مطابق سرحد پر جنگی ماحول بن رہا ہے لیکن ہندوستانی ذمہ داروں نے اس کی تردید کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستان ہمیشہ ہندوستانی سرحد کے اندر فائرنگ کرتا ہے اور اشتعال انگیزی پیدا کر کے حالات کو خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ہندوستان اس کا جواب نہیں دیتا اگر دیتا بھی ہے تو ہلکا پھلکا جواب دیتا ہے۔ گویا اگر ہندوستان بھی پاکستان کی طرح گولہ باری شروع کر دے تو دونوں ملکوں میں فوری طور پر جنگ کی آگ بھڑک سکتی ہے۔ اسلام آباد کے ایک دفاعی ماہر نے اس صورتحال کے لئے دونوں ممالک کے ذمہ داروں کو قصوروار ٹھہرایا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ لوگ جان بوجھ کر سرحد پر درجہ حرارت تیز کر دیتے ہیں اور کشیدگی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

مسجد پر راکٹ سے حملہ کا واقعہ ایسے وقت میں پیش آیا جب پاکستان کشمیری مسلمانوں سے اپنی وابستگی کا اظہار کرنے کے لئے ۵ فروری کو ملک گیر سطح پر سالانہ بند کا اہتمام کر رہا تھا۔ پاکستان کی تمام سیاسی پارٹیوں نے اس واقعہ کے لئے ہندوستان کی مذمت کی ہے۔

دیکھا جائے تو سرحد پر اکثر و بیشتر جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں البتہ کسی مسجد پر راکٹ سے یہ پہلا حملہ ہے۔ ۲۲ افراد کی ہلاکت نے پاکستانی عوام میں غم و غصہ کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ ابھی تک یہ ثابت نہیں ہو پایا ہے کہ اس حملہ کا ذمہ دار کون ہے۔ ہندوستانی فوج یا کشمیری گروپ۔ لیکن کنٹرول کی حقیقی لائین سے وابستہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ پاکستان کو وہی ملا ہے جو وہ ہمیشہ سے دیتا آیا ہے۔ یہ بیان ہندوستان پر پاکستان کے حملہ کے الزام کو تقویت بخشتا ہے۔ سردست سرحد پر کشیدگی کچھ کم ہو گئی ہے لیکن پاکستانی اور مقبوضہ کشمیر کے عوام کا غم و غصہ کم نہیں ہوا ہے۔ اگر سرحدی شہروں پر اسی طرح حملے ہوتے رہے اور مذہبی مقامات کو نشانہ بنا کر مذہبی جذبات بھڑکائے جاتے رہے تو وہ دن دور نہیں جب دونوں ملک پھر ایک خوں ریز جنگ میں مبتلا ہو جائیں اور ان کا امن و سکون درہم برہم ہو جائے۔ ●

عبادات میں خشوع وخضوع پیدا کریں اور ذکر و اذکار میں طوالت

نفسیاتی الجھنیں اور قلبی بیماریاں از خود پسپا ہو جائیں گی

ایک طبی رپورٹ کے مطابق جو لوگ عبادات سے متعلق معمولات کی ادائیگی پر کاربند ہوتے ہیں وہ دوسروں کے مقابلے میں امراض قلب اور ان جیسے دیگر عوارض سے محفوظ رہنے کے علاوہ نسبتاً پر سکون زندگی بھی گزارتے ہیں۔ اس کلیے کا اطلاق اگر ہم مسلمان کی زندگی پر کریں تو اس نتیجے کی توقع کرنی چاہئے کہ مقررہ عبادات کے علاوہ جن اوراد و اذکار میں ایک دیندار شخص اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ مصروف رہتا ہے ان کی بدولت وہ بہت سی نفسیاتی الجھنوں، وسوسوں اور اندیشوں سے محفوظ رہے گا۔ اور واقعتاً ایسا ہے بھی۔ جن افراد کی زندگی میں اوراد و اذکار کا دخل نہیں ہوتا ان کے ذہن دنیاوی الجھنوں اور پریشانیوں کے سامنے بہت جلد پسپا ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں پر ایک طرح کی مایوسی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اذکار کی اہمیت اور ان کا ثواب حدیث نبوی سے ثابت ہوتا ہے۔ شیطان کے وسوسے اور غلبے سے نجات دلانے کے علاوہ کثرت اذکار کی مداومت انشراح قلب کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔

اس مداومت کی طرف سب سے پہلا قدم اس طرح اٹھایا جاسکتا ہے کہ ہم کوشش کریں کہ نماز میں سلام پھیرنے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے دعاء اور ذکر کے لئے اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں نہ یہ کہ سلام پھیرا اور فوراً مسجد سے نکل جانے کے لئے بے تاب ہو جائیں۔ کبھی کوئی شدید ضرورت پیش آجائے تو ایسا کرنے میں حرج نہیں ہے۔ دعاء و ذکر کے لئے نماز کے بعد نہ ٹھہرنے والوں کے بارے میں زیادہ تر علماء کا خیال یہی ہے کہ ایسا کر کے وہ خود کو خیر و برکت سے محروم کر دیتے ہیں۔ اسی طرح سونے اور جاگنے کے وقت چند منٹ کے لئے توبہ و استغفار اور تسبیح کی پابندی بھی موجب سکون و طمانیت ہے۔ جو انسان ذکر الٰہی کو اپنا مشغلہ بنا لیتا ہے اس کے دل کو دنیا کی ترغیبات بیجا اپنی طرف مائل کرنے نہیں پاتیں۔ اسے قلب و روح کی نفاست کی ایسی دولت مل جاتی ہے جس کی مدد سے اسے نافع اور مضر خیال و عمل کے درمیان امتیاز کرنے میں دقت پیش نہیں آتی۔ اس کا دل بغض و حسد کا مسکن نہیں بننے پاتا۔

کلام اللہ کو اس کے مفہوم پر غور کر کے اور سمجھ کر سننا بھی اسی ذکر و ورد کا ایک حصہ بنایا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس دوران کسی لایعنی عمل کا ارتکاب نہ ہو۔ اس ضمن میں حالیہ ترین ایک تحقیق شاہد ہے کہ قرآن کریم کی بغور سماعت انسان کی قوت مدافعت میں اضافہ کرتی ہے اور یہ قوت ظاہر ہے ہمیں بہت سے امراض سے داخلی طور پر نبرد آزما ہونے کی صلاحیت عطا کرتی ہے۔ اعجاز قرآن کے ضمن میں یہ انکشاف حال ہی میں قاہرہ میں منعقد ایک طبی کانفرنس کے دوران کرائے گئے فیلڈ سروے سے ہوا ہے۔ اس کے منطقی اسباب پر غور کریں تو بات حیرت انگیز ضرور ہے لیکن سمجھ میں آنے والی ہے۔ مختلف طریقہ ہائے علاج میں طرح طرح کے تجربے ہوتے آئے ہیں اور ہو رہے ہیں بلکہ فی زمانہ ان کی رفتار خاصی تیز ہے۔ ایک طریقہ آج اختیار کیا گیا ہے تو کل متروک ہو جاتا ہے یا کچھ دنوں قبل فرسودہ تصور کیا جانے والا کوئی طریقہ علاج اپنی افادیت کو دوبارہ تسلیم کروا لیتا ہے۔ ان تجربات کی ایک کڑی علاج بذریعہ آواز یا موسیقی ہے۔ کرخت، شدید، نرم اور مترنم آوازوں کا انسانی اعصاب پر الگ الگ تاثر مرتب ہوتا ہے۔ اور پھر قرآن کریم تو اپنی نوعیت کا واحد کلام ہے جس کی تاثیر میں کوئی شک و شبہ نہیں اس کے اثر سے دلوں کا پگھلنا یقینی ہے اور دل جو کہ انسان کے جسمانی نظام کا مرکز ہے وہ کسی تشنج اور دباؤ سے خالی رہے گا تو ظاہر ہے کہ اس کا جسم کے دیگر اعضاء پر بھی خوشگوار اثر پڑے گا۔

قاہرہ کی طبی کانفرنس میں کئے گئے فیلڈ سروے کے تحت، ۱۸ سے ۴۰ سال کی عمر کے جن ۲۱۰ اشخاص پر تجربے کئے گئے ان میں مسلم بھی تھے اور غیر مسلم بھی۔ ان افراد میں سے ۹۰ فیصد ایسے تھے جن میں ایسی تبدیلیوں کو رونما ہوتے دیکھا گیا جو اعصابی تناؤ میں تخفیف کا اشارہ کرتی تھیں۔ ان تبدیلیوں کی پیمائش کے لئے حساس اور اچوک کمپیوٹرائزڈ آلے استعمال میں لائے گئے تھے اور اسی لئے یہ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ سروے کے نتائج اخذ کرنے میں کوئی غلطی ہو گئی ہوگی۔ اس سروے سے دو باتوں کی وضاحت ہوئی۔ ایک تو یہ کہ نماز، ذکر و اوراد تلاوت قرآن اور غور و خوض سے تلاوت قرآن کی سماعت کی پابندیاں کرنے والے افراد دیگر لوگوں کے مقابلے میں مہلک خصوصاً دل کے امراض میں کم مبتلا ہوتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ کسی عارضے میں مبتلا ہو جانے کی صورت میں وہ دیگر لوگوں کے مقابلے میں کم وقت میں شفایاب ہوتے ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ انسان کے جسم میں مدافعت اگر کمزور ہوگی تو بیماری سے پیچھا بھی زیادہ دیر میں چھوٹے گا یا وہ پھر عود کر آئے گی اور قوت مدافعت اگر پوری طرح بحال ہوگی تو امراض پر جلد قابو پایا جاسکے گا۔

محض مونچھ رکھنے کی بنا پر اسے امامت کے منصب سے ہٹایا نہیں جاسکتا

فقہی سوال اور ان کے جواب

سوال: ــــ جب کسی مسلمان عورت کا شوہر باہر ہو تو اس عورت پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔؟

جواب: ــــ سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں مراد مرد کی طویل عدم موجودگی سے ہے نہ کہ چند روزہ سفر سے۔ اور شوہر کی طویل غیر موجودگی کسی عورت کے لئے خصوصاً جب خانہ داری اور بچوں کی ذمہ داریاں اس پر زیادہ ہوں پریشانی کا سبب بنتی ہے۔ اس کے علاوہ بعض سماجی روایات بھی اس سے ایسے سلوک کا تقاضہ کرتی ہیں جس سے اسے دشواری پیش آئے۔ اس صورت میں اس کے فرائض اور حقوق دونوں کو نظر میں رکھنا ضروری ہے۔ اگر اس سے اس کے فرائض سے زیادہ کچھ کرنے کو کہا جائے اور وہ اسے انجام دے تو یقیناً اس کا احسان ہے جس کے لئے لوگوں کو اس کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ اگر اس کے حقوق کی ادائیگی کی طرف سے کوتاہی اس دوران ہوتی ہے تو حالات سے سمجھوتہ کرنے کی اس کی صلاحیت کی بھی تعریف ہونی چاہئے۔

قاعدے کی بات تو یہ ہے کہ عورت کی رضامندی کے بغیر کسی مرد کو ایک وقت میں چار ماہ سے زیادہ اپنے گھر سے دور نہیں رہنا چاہئے۔ اس دوران اسے پابندی کے ساتھ گھر کے اخراجات چلانے کے لئے مناسب رقم ملنی چاہئے۔ شوہر کے وسائل اور آمدنی کے مطابق اس کی مناسب رہائش کا انتظام کسی فلیٹ میں ہو یا اس کے شوہر کے گھر کے کسی حصے میں۔ ضرورت اور ہنگامی حالات میں دیکھ ریکھ کرنے کے لئے معتبر افراد بھی اس کے ساتھ ہوں۔ اگر ایسی حالت میں عورت کو اس کے والدین کے پاس رکھا جائے تو وہاں اس کی دیکھ بھال بہترین طریقے پر ہو سکتی ہے۔ بہت سے مردوں کا خیال ہے کہ جب وہ اپنے بیوی بچوں سے دور ہوں تو عورت کو شوہر کے والدین کے ساتھ رہ کر ان کے گھریلو کاموں میں ہاتھ بٹانا چاہئے۔ یہ بعض حالات میں مناسب تو ہو سکتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں ایسی کوئی واجب شرط نہیں ہے کہ عورت اپنے سسرالیوں کے ساتھ ہی رہے۔ لیکن اگر وہ اس پر راضی ہے تو یہ جان لینا چاہئے کہ اسلامی شریعت کی رو سے سارے گھریلو کام نمٹانا اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ہاں افراد خانہ کے ساتھ خوشگوار تعلقات کو قائم رکھنے کی غرض سے اس سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹائے گی۔ ایسا نہ ہو کہ سارا بار اسی پر ڈال دیں اور باقی لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔ اس طرح گھریلو کاموں میں اس کی مدد کو بہ نظر استحسان دیکھنا چاہئے۔ عورت کو چاہئے کہ اپنے شوہر کے گھر والوں اور والدین کے ساتھ عزت و احترام اور مہربانی و شفقت کا برتاؤ کرے اور ان سے خوشگوار تعلقات بنائے رکھے۔ دوسری طرف اسے اپنے شوہر کے مال و متاع کی حفاظت اور اپنے بچوں کی پوری طرح نگرانی کرنی چاہئے اور اپنی عصمت و عفت کی حفاظت تو وہ کرے گی ہی خواہ وہ کہیں بھی ہو۔

سوال: ــــ خلیجی ممالک میں دیکھا گیا ہے کہ لوگ جب آپس میں ملتے ہیں تو سر عام بوسہ لیتے ہیں۔ یہ طرز سلوک کس حد تک جائز ہے۔ کیا ایڈز جیسی موذی بیماری کے تئیں بیداری کا واضح حوالہ قرآن کریم میں موجود ہے اور ایسے کسی سلوک سے خبردار کیا گیا ہے جو اس مرض کے پھیلنے کا سبب بنے۔

جواب: ــــ محترم! بوسے کے کئی مراحل ہیں اور جس طرز سلوک کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے اس کی اجازت اسلام میں ہے کیونکہ یہ گہرے سماجی ربط کی علامت ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مختلف معاشروں میں پروان چڑھنے والوں کو یہ مظاہرہ عجیب معلوم ہوتا ہے۔ اس کا تعلق تہذیبی اختلاف سے ہے۔ تاہم کسی مسلمان کو چاہئے کہ جب ایسے معاشرے میں ہو جہاں مردوں کے درمیان بوسے کو اچھا نہ سمجھا جاتا ہو، اس سے احتراز کرے تاکہ کوئی غلط فہمی نہ پیدا ہو سکے۔ (سائل کے سوال کی مناسبت سے ایک لطیفہ بیان کر دیا جائے۔ ہوا یوں کہ چند ننگے بھٹک کر لباس پوشوں کی بستی میں نکل آئے تو انہوں نے حیرت سے ایک دوسرے سے کہا کہ یہ کیسے بے شرم لوگ ہیں کہ اپنے جسموں کو ڈھکے ہوئے ہیں۔)

قرآن کریم اور حدیث میں بہت سی مثالیں ہیں جس میں ایسے کسی کام سے منع کیا

باقی ص ۱۶ پر

عورتیں باورچی خانہ کے دھوئیں سے ہوشیار رہیں

گیس سلنڈر سے زیادہ خطرناک ہے ایندھن کا دھواں

اگرچہ فضائی آلودگی کے تئیں عوام میں مجموعی طور پر خاصی بیداری پائی جاتی ہے لیکن کم ہی لوگ اس طرف توجہ دیتے ہوں گے کہ گھریلو آلودگی بھی صحت کے لئے کم خطرناک نہیں ہے۔ باورچی خانے میں کھانا پکانے کے دوران اس میں اٹھنے والے دھوئیں سے خاتون خانہ کو وہی خطرات لاحق ہوتے ہیں جو فیکٹری میں کام کرنے والے کسی مزدور کو۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں کھانے پکانے میں مستعمل ایندھن سے پیدا ہوئی گیسوں کے انسانی جسم پر متوقع اثرات پر مطالعات جاری ہیں اور یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ لکڑی اور دیگر مادوں سے اٹھنے والا دھواں گیس کے مقابلے میں کہیں زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے، کوئلے سے بھی زیادہ جو آلودگی کا ایک بڑا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اسے دیکھتے ہوئے بہت سے ممالک میں لکڑی کے ایندھن کا استعمال کم ہو رہا ہے یا اسے ترک کیا جا رہا ہے۔

لیکن ہندوستان میں صورت حال یکسر مختلف ہے جہاں اسی فیصد آبادی کھانا پکانے کے لئے لکڑی کے ایندھن، گوبر کے اپلے، بچی کھچی ڈنٹھلوں پر انحصار کرتی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ سارا کام کھلے ہوئے چولھے پر ہوتا ہے۔ دھوئیں سے بھری ہوئی جھونپڑیاں ہر صبح و شام آپ کو کہیں بھی نظر آجائیں گی۔ خصوصاً سردیوں میں جب درجہ حرارت گھٹ جاتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورے پورے گاؤں پر آنسو گیس چھوڑ دیا گیا ہو۔

لکڑی کے دھوئیں کے سب سے زیادہ نقصان دہ اثر کا امراض قلب سے متعلق ایک سروے سے پتہ چلا ہے جسے CorPulmoral کہتے ہیں جس میں دل کے داہنی طرف کا نچلا حصہ بڑھ جاتا ہے اور پھیپھڑے کا فعل خراب ہونے کی وجہ سے اپنا عمل بند کر دیتا ہے یہ بات دہلی کے ہسپتالوں میں پندرہ سال کے عرصہ میں داخل ہونے والے مریضوں کے مشاہدے سے منکشف ہوئی ہے۔ لکڑی کے جلنے کے دوران کاربن مونو آکسائڈ گیس کا اخراج ہوتا ہے جو اگر سانس کے ذریعے انسانی جسم میں داخل ہو جائے تو بہت مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔ جب یہ گیس خون میں آکسیجن بردار مادے یعنی ہموگلوبین سے ملتے ہیں تو خون میں خالص ہموگلوبین کی کمی واقع ہونے لگتی ہے اور آدمی قلت دم کا مریض ہو جاتا ہے۔ اسی کاربوکسی ہموگلوبین کی سطح جب خون میں بہت بڑھ جاتی ہے تو مریض پر غشی طاری ہو جاتی ہے اور یہاں تک کہ موت کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ کاربوکسی ہموگلوبین کے خطرات سے بچنے کی غرض سے اس کی مقدار کو پانچ فیصد سے بڑھنے نہیں دینا چاہیے۔ اس بات کے وافر ثبوت ملے ہیں کہ کاربن مونو آکسائڈ اور امراض قلب کے درمیان گہرا تعلق ہے اور اس گیس کے اثرات کے تحت ماں کے پیٹ میں پل رہے بچے کے ارتقاء پر بھی خراب اثر پڑتا ہے۔ کاربن مونو آکسائڈ سرطان کے مرض کا سبب تو نہیں بنتی

لیکن آلودگی کے دیگر ذرائع کے سرطانی اثرات میں اضافہ کرتی ہے۔

ایسے بہت سے عوامل ہیں جن کی بناء پر عورتیں مونو آکسائڈ کی زد پر مردوں کے مقابلے میں زیادہ رہتی ہیں۔ عورتوں میں ہموگلوبین کی مقدار مردوں کی بہ نسبت کم ہوتی ہے اس لئے قلت دم کا عارضہ بھی انہیں زیادہ ہوتا ہے اور اسی لئے مونو آکسائڈ کی ہلکی سی مقدار بھی ان کے لئے نقصان دہ بن سکتی ہے۔ دوران حمل انہیں ہموگلوبین کی اضافی مقدار درکار ہوتی ہے اور مونو آکسائڈ سے متاثر ہونے کا خطرہ بھی اس کے ساتھ بڑھ جاتا ہے جو جنین کی نامکمل نشو و نما کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ امریکہ میں کیے گئے ایک سروے کے مطابق خانہ زاد آلودگی کا اثر تقریباً نہ ہونے کے برابر تھا جب کہ ہندوستان میں عورتوں اور لڑکیوں کی سانس کی بیماری سے واقع ہونے والی اموات کا ایک بڑا سبب مونو آکسائڈ ہے۔

بلند مقامات پر آکسیجن کی قلت کا جسم پر وہی اثر ہوتا ہے جو مونو کسی ہموگلوبین کی زیادتی کا۔ قلت خون میں مبتلا کسی حاملہ پر جو کسی پہاڑی مقام پر رہتی ہو اور کھانا پکاتی ہو مونو آکسائڈ کا اثر سب سے زیادہ ہوگا اور چونکہ اسے لکڑی بھی جمع کر کے لانی ہوتی ہے اس لئے اس خراب اثر کی ہلاکت خیزی اس کے لئے اور اس کے شکم کے بچے کے لئے بڑھتی ہی جائے گی۔ اسی لئے ضرورت ہے کہ دھوئیں سے پیدا ہونے والی مہلک مونو آکسائڈ کے اثرات سے عورتوں کو محفوظ رکھنے کی غرض سے صاف تر ایندھن اور محفوظ چولھوں کے استعمال پر توجہ دی جائے اور اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ جس جگہ کھانا پکایا جائے وہاں ہوا اور روشنی کا معقول گذر ہو۔ اس کے لیے ضرورت ہے کہ مٹی کے تیل، بجلی اور کھانا پکانے کی گیس کی فراہمی کی نہ صرف شہروں بلکہ دیہاتوں میں بھی ممکن بنائی جائے۔ بایو گیس کا استعمال بھی اس اعتبار سے بہت مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

بایو گیس سے لکڑی کے دھوئیں سے پیدا شدہ خطرات کو کافی حد تک کم تو ضرور کیا جاسکتا ہے مگر بد قسمتی سے بایو گیس پلانٹ لگانے کی

باقی صفحہ ۱۳ پر

سبزیاں انسانی صحت کے لیے کم خرچ بالا نشیں

انڈین کونسل آف میڈیکل ریسرچ کے شعبہ تغذیہ کی طرف سے کیے گئے ایک مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سبزیوں پر مبنی خوراک پر لاگت کم آتی ہے اور اس میں غذائی اجزاء بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج مغربی ممالک میں کھانے پینے کی عادات کی بازیابی کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ پروسسڈ فوڈ کی خرابی یہ ہے کہ اس کے سوڈیم کی مقدار زیادہ ہوتی ہے جس سے ہائپر ٹنشن کا عارضہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح "جھٹ پٹ کھانا" یعنی فاسٹ فوڈ میں نمک کاربوہائیڈریٹ کی بھرمار ہوتی ہے اور پھر ان سے جسم کو قوت نہیں مل پاتی۔ ایسی غذا جس میں سبزی کی خاص مقدار شامل نہ ہو اس میں میچورٹیڈ چربی کی زیادتی ہوتی ہے جو کولیسٹرول کی سطح کو اونچا کرتی ہے جو ہارٹ اٹیک کا ایک اہم سبب بنتا ہے۔

اگر غور کریں تو حقیقت یہ ہے کہ انسانی جسم پر خوراک کے اثرات تین زاویوں سے مرتب ہوتے ہیں۔ اس سے جسم کو طاقت ملتی ہے، جسم کی نشو و نما ہوتی ہے، اور بیماریوں سے جسم کی حفاظت ہوتی ہے۔ ان عوامل کے پیش نظر سبزیوں کو وٹامن اور معدنیات کا خزانہ کہنا بجا ہوگا کیونکہ یہ چیزیں جسم کے جوڑوں، ہڈیوں اور دانتوں کو مضبوط رکھنے اور تولید خون کے لئے

بہت ضروری ہیں۔ سبزیوں اور موسمی پھلوں سے حاصل ہونے والے تغذیہ بخش اجزاء میں حیاتین اے، کیروٹین، حیاتین سی، بی کمپلکس حیاتین اور فولک ایسڈ شامل ہے۔ اسی طرح معدنیات میں لوہا اور کیلشیم قابل ذکر ہیں۔ جڑ والی سبزیاں مثلاً آلو، گاجر، پیاز، شلجم وغیرہ جسم کو طاقت بخشتے ہیں۔

ہمارے ملک میں حیاتین اور معدنیات کی کمی سے لوگوں کو متعدد بیماریاں لاحق ہوتی ہیں۔
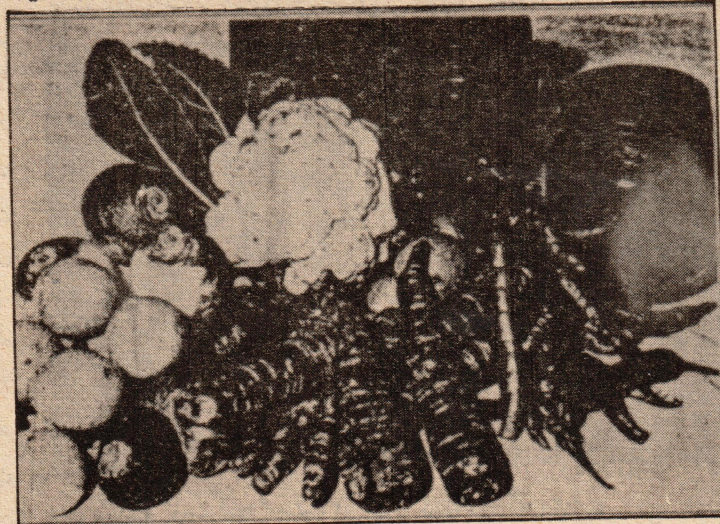
جیسا کہ ہم جانتے ہیں وٹامن اے کی قلت سے آنکھوں کے امراض خصوصاً بچوں میں کثرت سے رونما ہوتے ہیں۔ وٹامن کی موزوں مقدار اگر جسم میں نہ ہو تو آنکھوں کے ڈھیلے کی قدرتی سفیدی ماند پڑ جاتی ہے۔ اس کے اثر سے رتوندی اور وٹامن اے کی مستقل کمی کے باعث اندھاپن بھی واقع ہو سکتا ہے۔ اگرچہ وٹامن اے زیادہ تر جانوروں سے حاصل ہونے والی غذا مثلاً دودھ، انڈا، زردی، کلیجی، وغیرہ میں پایا جاتا ہے لیکن قدرت نے احتیاطی طور پر یہ اجزاء پتے دار سبزیوں میں بھی رکھے ہیں جو کیروٹین نام کے مادے میں شامل ہوتے ہیں۔ جب ہم پتے دار سبزیاں استعمال کرتے ہیں تو کیروٹین وٹامن اے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

انڈین کونسل آف میڈیکل ریسرچ سے وابستہ ایک ماہر کا خیال ہے کہ گہرے زرد رنگ کے پھل مثلاً آم، پپیتا، سنترہ اور گاجر، کھیرا، ٹماٹر جیسی سستی اور موسمی سبزیوں میں کیروٹین کے ذرات موجود ہوتے ہیں۔ چورائی کا ساگ، چنے کی پھلی، میتھی کا ساگ، سرسوں کا ساگ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن میں وٹامن اے خاصی مقدار میں ملتا ہے۔

وٹامن بی کی کمی عورتوں اور بچوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے۔ یہ وٹامن جلد کی رنگت اور چستی کو برقرار رکھنے میں اہم کام انجام دیتا ہے۔ دودھ سے بننے والی چیزوں اور انڈا، کلیجی وغیرہ میں تو یہ وٹامن ہوتا ہی ہے۔ ہری پتے دار سبزیوں میں بھی وٹامن بی کی اچھی خاصی مقدار پائی جاتی ہے۔ جہاں تک معدنیات کا سوال ہے تو اعصاب کے مناسب پھیلاؤ اور سکڑاؤ کے لئے وٹامن بی کی ضرورت ہوتی ہے۔ دل کے عمل میں بھی اس معدن کا اہم رول ہے۔ کیلشیم کے سستے متبادل میتھی کے ساگ ہری اور پتے دار سبزیوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کو مختلف طریقوں سے استعمال میں لایا جاسکتا ہے مثال کے طور پر ان سے رائتہ، چٹنی تیار کرنے کے علاوہ پوری، پراٹا بھی بنایا جاسکتا ہے، اور کھچڑی وغیرہ میں بھی انہیں ڈالا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ غذا کیسی بھی ہو سلاد کی موجودگی کھانے پر ضروری ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسا کھانا کبھی کھایا ہی نہ جائے جو گوشت اور اس سے بنی ہوئی اشیاء پر مشتمل ہو بلکہ یہ کہ انسان کا انحصار اسی پر نہ ہو۔

محکمۂ آثار قدیمہ تاریخی مسجدوں کے معاملے میں اتنا متعصب کیوں؟

"دلی کی تاریخی مساجد" میں مسجدوں کی تفصیل کے ساتھ حکومت کی ناانصافیوں کا ذکر بھی موجود ہے

ملی ٹائمز میں تبصرے کے لئے دو نسخے آنا لازمی ہیں۔ تبصرے کے لئے کتابوں کے انتخاب کا حتمی فیصلہ ادارہ کرے گا البتہ وصول ہونے والی کتابوں کا اندراج ان کالموں میں ضرور ہو گا۔

نام کتاب: دلی کی تاریخی مساجد (جلد اول)
مصنف: عطاء الرحمن قاسمی ایم۔اے
ناشر: مولانا آزاد اکیڈمی، نئی دہلی
صفحات: ۳۵۲، قیمت: ۲۰۰ روپئے
مبصر: س۔احمد

ہندوستان میں قدیم فن تعمیر کے نمونوں کا تحفظ، جن میں مساجد کو نمایاں حیثیت حاصل ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان میں مقامی اور بیرونی اسالیب کا امتزاج دو تہذیبوں کے درمیان صدیوں پر پھیلے ہوئے تعامل اور اتحاد کا آئینہ دار ہے۔ لیکن صورتحال اس کے برعکس ہے۔

"مسجد قاضی والی (واقع پہاڑ گنج) لال پتھروں کی بنی ایک وسیع و عریض خوشنما چار منزلہ مسجد ہے۔ اس عالی شان مسجد کے ایک بڑے حصے میں ایک خوبصورت ہوٹل کامراج للج کے نام سے چل رہا ہے جہاں برابر ملکی و غیر ملکی سیاح آکر ٹھہرتے ہیں اور ان میں انگریز ہپی لڑکے لڑکیاں بھی شامل ہوتے ہیں جو رات دن چرس، افیون اور شراب میں گم اور مست رہتے ہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس ہوٹل کا مالک کوئی غیر مسلم نہیں بلکہ مسلمان ہے۔"

اسی کو کہتے ہیں گھر کے چراغ سے گھر کو آگ لگنا۔ جب ایک مسلمان ہی اس قدر بے حمیت ہوجائے کہ اسلام کی ایک پرشکوہ یادگار کی حسب استطاعت حفاظت کے بجائے اسے اپنی دنیاوی اغراض کے لئے تصرف بیجا میں لے لے اور اپنی آنکھوں سے اس کی بے حرمتی و پامالی کا تماشہ دیکھے تو مہرولی میں مسجد بھول بھلیاں کے ناجائز قابضین منورام اور اودھارام وغیرہ سے کیا شکوہ جو اسلامی آثار کے جذبہ احترام سے فطرتاً بے نیاز ہیں۔

مکان کی رونق اس کے مکینوں سے ہوتی ہے۔ آدم زاد کی سرشت ہے کہ وہ جس گھر میں رہتا ہے اس کے کونے کھدروں میں جمع ہونے والے گرد و غبار اور جالے وغیرہ کی صفائی بھی وقتاً فوقتاً کرتا رہتا ہے۔ کچھ یہی حالِ اللہ کے نام پر انسان
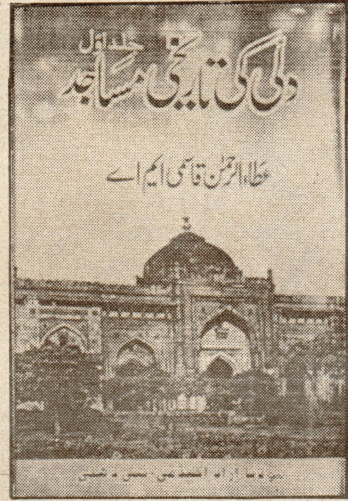
کے ہاتھوں بنائے گئے گھروں کا ہے کہ جب حی علی الصلاۃ کی آواز پر اس کے بندے ان میں جاکر سر بسجود ہوتے ہیں تو اس سجدہ ریزی کے طفیل میں ان کے دلوں میں انسیت کا وہی جذبہ جاگتا ہے جو انہیں اپنے مسکن و مستقر سے ہوتا ہے۔ وہ مل جل کر اسے کہنگی کے اثرات سے محفوظ رکھتے ہیں۔ "دلی کی تاریخی مساجد (حصہ اول) میں مولانا عطاء الرحمن قاسمی نے دلی کے مسلمانوں کو خانہ ہائے خدا کی پاسبانی کے حق سے محروم رکھے جانے کی سرکاری حکمت عملی کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ غور کیا جائے تو یہ حکمت عملی زائیدہ ہے اس نفسیات کی جو تقسیم ملک کے پر آشوب دور میں اہل وطن کے ایک بڑے طبقے کے ذہنوں میں منتقل کی گئی۔ اسی نفسیات کو عملی شکل دینے کے لئے شکستہ اسلامی آثار کے سینوں پر دلی کو وسعت دے کر نئی دہلی بسائی گئی۔ ایسا لگتا ہے کہ محکمہ آثار قدیمہ جس کا قیام انگریزوں کے دور اقتدار میں ہوا تھا تقسیم ملک کے بعد اس کا کام اب صرف یہ رہ گیا ہے کہ تاریخی عمارتوں کے باہر یہ ہدایتی بورڈ لگادے کہ "یہ عمارت محکمہ آثار قدیمہ کے زیر انتظام ہے۔" یہ بورڈ لگا نہیں کہ اتہ ہے۔ "یہ بورڈ لگا نہیں کہ اس تاریخی عمارت میں جرائم پیشہ افراد، گداگروں، خوانچہ فروشوں یہاں تک کہ گائے بھینس تک کا بسیرا ہونے لگتا ہے۔

قاسمی صاحب نے اس کتاب میں دلی کی انسٹھ تاریخی مساجد کی تفصیل پیش کرتے ہوئے ان کی تاریخ تعمیر، محل وقوع، عمارت کے اہم حصوں کی خصوصیات، ان کی موجودہ حالت، ان پر کندہ تحریروں اور کتبوں کا بھی احاطہ کیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ خاصا کاوش طلب کام تھا۔ اس سلسلے میں انہیں سرکاری دستاویزات کی چھان بین بھی کرنی پڑی ہے جس کی بناء پر وہ دلی کی شکستہ تاریخی مساجد کے بارے میں اہم معلومات فراہم کرسکے۔ مثلاً یہ کہ ایک محتاط اندازے کے مطابق جہاں تک پارلیمنٹ کے ریکارڈ سے معلوم ہوسکا ہے دلی میں مقبوضہ مساجد کی تعداد ۹۲ ہے اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ ان غیر قانونی اور ناجائز قابضین کے خلاف کوئی قانونی کارروائی آج تک نہیں ہوسکی ہے۔ نیز یہ کہ راجدھانی دلی میں محکمہ آثار قدیمہ کے زیر انتظام تقریباً ۵۲ مساجد ہیں جن میں سے بیشتر تشویشناک حالت میں ہیں۔ اور جیسا کہ سطور بالا میں مکان اور مکین کے ربط کا ذکر ہوا ہے وہی مساجد کسی حد تک بہتر حالت میں ہیں جن میں باضابطہ نمازیں

باقی صفحہ ۹ پر

آپ کی الجھنیں

میاں بیوی راضی ہوں تو قاضی بن کر بیجا دخل اندازی نہیں کرنی چاہئے

اگر آپ کسی الجھن میں مبتلا ہیں یا کسی اہم مسئلے پر فیصلہ لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں جس سے آپ کی زندگی کا سکون درہم برہم ہو گیا ہے تو آپ فوری طور پر ہمیں اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔ ہم اس کالم میں آپ کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔

سوال:۔ میں نے اپنے بیٹے کی شادی ایک دوست کے توسط سے ان کے شناسا کی بیٹی سے طے کی تھی۔ شادی ہوجانے کے بعد لڑکی کے والد نے یہ خواہش ظاہر کی کہ میرا بیٹا ان کا گھر داماد بن کر رہے جب کہ ان کے سامنے کوئی مجبوری نہیں ہے۔ ان کے یہاں چار بیٹے ہیں۔ اس پر نہ تو میں متفق ہوا اور نہ ہی میرا بیٹا۔ ایک روز لڑکی کے والد نے رقعہ بھجوایا کہ جہیز میں دو سامان غلطی سے زائد چلے گئے ہیں وہ کسی معتبر آدمی سے واپس کروادئے جائیں۔ یہیں سے ہم دونوں میں تلخی بڑھ گئی اور نوبت پنچایت تک پہنچی۔ ہم دونوں نے اپنا ایک ایک ثالث منتخب کیا اور صدر ثالث ایک عالم دین کو بنایا گیا۔ ہم فریقین کے علاوہ لڑکا بھی پنچایت میں موجود تھا۔ ثالث نے ہم دونوں کی شکایات سنیں۔ لڑکی کے والد طلاق لینے پر بضد تھے اور لڑکا طلاق دینے سے یکسر انکار کررہا تھا۔ لیکن ثالث نے لڑکی سے بغیر حقیقت حال دریافت کیے علیحدگی کا فیصلہ سنادیا۔ سوال یہ ہے کہ لڑکی کی رضامندی حاصل کئے بغیر ایسا فیصلہ کرنا کہاں تک صحیح ہے اور کیا دو سمدھیوں کی رنجش کی بنا پر لڑکے اور لڑکی کی زندگیوں سے کھلواڑ کرنا شریعت میں جائز ہے۔

(فریقین کے نام مخفی رکھتے ہوئے ایک خط کا اختصار)

جواب:۔ پنچایت کے سامنے لڑکی کے والد کی طرف سے طلاق کے مطالبہ اور لڑکے کا اس سے انکار یہ ثابت کرتا ہے کہ لڑکا اس عمر میں ہے جہاں وہ اپنی زندگی سے متعلق اہم فیصلے کرسکے۔ یہ ایک بڑی سماجی برائی ہے کہ بعض والدین فرمانبرداری کے نام پر اپنے لڑکے اور لڑکیوں سے وہ توقعات وابستہ کرلیتے ہیں جن کا کوئی شرعی جواز نہیں اور ایسے مطالبات ان سے تسلیم کرواتے ہیں جس سے محض ان کی انانیت کی اور احساس برتری کی تسکین مقصود ہوتی ہے۔ لڑکی کے والد نے آپسی رنجش کی بنا پر ثالث سے ساز باز کے ذریعے جبراً طلاق لے کر اپنی لڑکی پر تو ظلم کیا ہی ہے ایک سنگین غلطی کے بھی مرتکب ہوئے ہیں۔ لڑکی کے ولی کی حیثیت سے انہیں اپنی لڑکی سے واضح طور پر منظوری حاصل کرنی چاہئے تھی کہ کیا وہ سائل کے لڑکے سے طلاق لینا چاہتی ہے۔ اس معاملے میں عالم دین صاحب کا کردار خاصا مشکوک ہے اور پنچایت تو بالکل فضول سی چیز ہے اس میں فیصلے پارٹی بندی کی بنیاد پر ہوتے ہیں نہ کہ انصاف و شریعت کی روشنی میں۔

سوال:۔ میں کافی عرصے سے بیرونی ملک میں مقیم ہوں اور شادی شدہ ہوں۔ ہر سال اپنے وطن جاتا ہوں۔ شادی کے فوراً بعد ہی سے میرے گھر میں مسائل شروع ہوگئے اس کی وجہ یہ ہے کہ میری بیوی اکثر بیمار رہتی ہے۔ میں پوری توجہ سے اس کا علاج کرواتا رہا ہوں۔ لیکن میرے گھروالوں کو یہی شکایت رہی کہ وہ اس گھر میں ناقابل قبول ہے اور اس کے لئے اتنا سب کچھ کیوں کیا جارہا ہے۔ اسی بات کو لے کر والدین مجھ سے ناخوش رہنے لگے۔ اور گھر میں میری بیوی کو میری غیر موجودگی میں طرح طرح سے پریشان کیا جانے لگا یہاں تک کہ اس نے تنگ آکر کئی دفعہ خودکشی کی کوشش کی۔ جہاں میری طرف سے گھر کی ذمہ داریوں کو نبھانے کا سوال ہے تو اب سے تین سال پہلے تک میرے والد ہی گھر کے نگراں تھے اور تمام اخراجات میں برداشت کرتا تھا۔ یہ اخراجات حد درجہ بڑھ گئے تو بھی میں نے کچھ نہ کہا۔ میری والدہ کا آپریشن ہوا تو اس کے بعد وہ خاصی کمزور ہو گئیں اسی بنا پر گھر کے انتظامی معاملات اپنی بیوی کے ہاتھ میں دے دئے۔ یہاں سے حالات اور بگڑ گئے اور طرح طرح کے الزامات مجھ پر اور میری بیوی پر عائد ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر میں نے گھر سے کچھ فاصلے پر ایک مکان بناکر بیوی اور بچے کو اس میں منتقل کردیا تو نیا الزام یہ لگا کہ ان کے بیٹے کا دماغ سسرال والوں نے پھیر دیا ہے۔ جب کہ ایسی کوئی بات نہیں ایک حق پسند انسان کی حیثیت سے میں سب کے حقوق نبھانے کی پوری کوشش کرتا ہوں۔

جواب:۔ ماشاء اللہ آپ بہت سلجھے ہوئے ذہن کے آدمی ہیں اور گھریلو معاملات کی پیچیدگیوں پر نظر رکھتے ہیں۔ آپ کا تعلق ایک ایسے مشترک خاندان سے ہے جہاں والدین کبھی بھی اپنے بیٹے، اس کی بیوی اور اس کے بچے پر سے اپنے مالکانہ و حاکمانہ اختیارات سے دست بردار نہیں ہونا چاہتے اور بیٹے کی بیوی کو باہر کے فرد کی حیثیت دیتے ہیں تاکہ اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے وہ شوہر کے گھروالوں کی محتاج بن کر رہے۔ جب تک یہ نظام زیر عمل رہتا ہے گاڑی سکون سے چلتی رہتی ہے۔ بیٹا اندرون یا بیرون ملک کماکر بھیجتا رہتا ہے۔ گھر لے مالکان جہاں چاہیں خرچ کریں۔ جیسے ہی اس نظام کا رخ ذرا سا بدلا وہیں والدین کے تیور بھی بدلنے لگتے ہیں۔ یہ وہ والدین ہیں جنہیں اس کا احساس نہیں کہ ان کی اولاد جب ذمہ دارانہ زندگی گذارنے کے قابل ہوجائے گی تو ان کی زندگی کی ضروریات اور اس کے دیگر تقاضے بھی بڑھیں گے۔ لیکن وہ ہیں کہ اپنی پرانی لیکھ سے ٹس سے

باقی صفحہ ۹ پر

Invitation Price Rs. 5/-
1 - 15 March 1996
Volume : 2. Issue : 29

The Milli Times International
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018
Fax: (011) 6926030

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No -11234/96

او غافل افغان

افغانستان سے سوویت فوجوں کی پسپائی کے بعد سے ہی وہاں برادر کشی کا دور دورہ ہے۔ اس ماحول میں طالبان اسلامی حکومت کے قیام کا خواب دیکھ رہے ہیں، یہ ہے طالبان کا ایک فوجی۔ اس کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں غرق ہیں اور چہرے سے فکر و پریشانی ٹپک رہی ہے۔ افغانستان کے منظر نامے پر طالبان کو طلوع ہوئے کافی عرصہ گذر چکا ہے۔ لیکن ابھی بھی منزل طالبان کے قدموں سے کافی دور ہے۔ طالبان نے آتے ہی متحارب گروپوں کو پسپا ہونے پر مجبور کرکے یکے بعد دیگرے کئی اہم چوکیوں پر قبضہ کرلیا تھا گلبدین حکمت یار اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ اپنا مضبوط مرکز خالی کرکے پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ صدر برہان الدین ربانی کے ہاتھوں سے حکومت کی باگ ڈور چھوٹتی محسوس ہونے لگی تھی اور عبدالرشید دوستم و احمد شاہ مسعود حیرت و استعجاب کے سمندر میں غرق نظر آنے لگے تھے۔ پورا افغانستان خوشگوار حیرت میں ڈوب گیا تھا۔ چونکہ طالبان نے اہم فوجی چوکیوں اور جنگی اعتبار سے اہمیت کے حامل مقامات کو اپنے زیر نگیں کرکے پورے ملک میں اسلامی حکومت کے قیام اور متحارب افغان جنگ بازوں کے شکنجے سے افغانستان کو آزاد کرانے کے عزم کا بہ بانگ دہل اعلان کیا تھا اس لئے عوام نے انہیں اپنی پلکوں پر بٹھایا، دلوں میں جگہ دی اور ان کے ٹینکوں کے آگے فرش راہ ہوگئے۔

آج اگر ہم پیچھے مڑکر دیکھیں تو طالبان کی آمد سے قبل اور بعد کے حالات میں کوئی بہت زیادہ فرق نظر نہیں آتا۔ ہاں جنگ باز گروہوں میں ایک اور گروہ کا ضرور اضافہ ہوگیا۔ افغان عوام کا یہ خدشہ کہ ان پر ایک اور متحارب گروہ حاوی ہوجائے گا، سچ ثابت ہونے لگا ہے۔ آج افغانستان کا نصف سے زائد علاقہ طالبان کے زیر نگیں ہے اور ان علاقوں میں اطلاعات کے مطابق اسلامی قوانین نافذ کردئے گئے ہیں، اخبارات میں ایسی تصویریں شائع ہونے لگی ہیں جن میں سرعام گولی مار کر سزائیں دی جارہی ہیں۔ اطلاعات کے مطابق چوری کرنے پر ہاتھ اور پاؤں بھی کاٹے جارہے ہیں۔ لیکن کابل کی حالت بڑی متضاد نظر آتی ہے۔ آج کابل میں کہنے کو تو برہان الدین ربانی کی حکومت ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ فاقہ کشی اور بھکمری کی حکمرانی ہے لوگ یا تو بھوکے رہنے یا بیماریوں کو دعوت دینے والی غذائیں کھانے پر مجبور ہیں۔ سرد موسم نے عوام کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ امدادی تنظیموں کو پریشانی اور رفاہی کاموں میں زبردست رخنہ اندازی ہورہی ہے۔ طالبان نے کابل کا ایک طرح سے محاصرہ کررکھا ہے۔ آنے والی غذائی اور طبی امداد کابل تک نہیں پہنچ پاتی۔ جس کے نتیجے میں شہر میں لاکھوں افراد فاقہ کشی کے شکار ہیں۔ ہزاروں بے گھر ہوگئے ہیں اور لاتعداد موت کے دہانے پر پہنچ گئے ہیں ایسا نہیں ہے کہ طالبان اور ربانی حکومت بے قصور عوام کی اذیتوں اور پریشانیوں سے ناواقف ہیں۔ یا انہیں عوام کی تکلیف، وہ ذہنی اور جسمانی کیفیت کا علم نہیں ہے اور شیر خوار معصوم بچوں کی چیخیں ان کے کانوں تک نہیں پہنچ رہی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ شاید انہیں عوام کی مصیبتوں اور معصوموں کی پریشانیوں سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو غرض ہے تو بس اس سے کہ کابل پر اس کا جھنڈا لہرانے لگے۔ کابل اور اہل کابل کے تئیں متحارب گروپوں کے رویے سے یہ بھی محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کسی دشمن ملک کی حکومت اور فوج سے برسرپیکار ہیں اور عوام کو بھوکا پیاسا مار کر اس ملک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔

۱۹۹۲ سے طالبان سمیت افغانستان کے دوسرے سارے گروہ اسلامی حکومت کے قیام کے لئے لڑرہے ہیں۔ رشید دوستم کو چھوڑکر سبھی کا مقصد یہی ہے لیکن اس کے باوجود ان میں اختلافات ہیں؟ برادر کشی کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ شاید ابھی وہ مرحلہ نہیں آیا جب غافل افغان اپنی خودی پہچان سکے اور اس حقیقت کا ادراک کرسکے کہ اس کی فوجی، عسکری اور ایمانی قوت برادر کشی اور اپنے ہی گلے پر چھری پھیرنے کے لئے نہیں بلکہ دشمنان اسلام کا صفایا کرنے اور افغانستان و پاکستان سے لیکر وسط ایشیا کے ممالک تک ایک وسیع اسلامی بلاک تشکیل دینے کے لئے وقف ہیں۔ کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا جب غافل افغان اپنا فرض پہچانے اور ایمانی حرارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آگے قدم بڑھائے اور برادر کشی کے بجائے اسلامی پرچم گاڑتا چلا جائے۔؟ •